حقوق العلم

{علم اور علما کے کیا حقوق ہیں؟ اس موضوع پر مجدد الملت
حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی ایک قدیم تحریر کی جدید اشاعت}

تالیف
حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ادارہ اسلامیات
کراچی — لاہور

{ علم اور علما کے کیا حقوق ہیں؟ اس موضوع پر مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی ایک قدیم تحریر کی جدید اشاعت }

تالیف

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ادارہ اسلامیات

کراچی — لاہور

فہرست

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

دوسری فصل

تیسری فصل

مدارس کی بعض اصلاحات میں

فہرست مضامین	صفحہ نمبر
(۴) چندہ کی رقم میں عدم احتیاط	۸۴
(۵) کھانے کے لئے طلبہ کو کسی کے گھر بھیجنا مناسب نہیں ہے	۸۴
(۶) طلبہ کے اعمال اور وضع قطع پر روک ٹوک ضروری ہے	۸۵
(۷) کمال علمی کے بغیر سند فراغ دینا نقصان دہ ہے	۸۵
(۸) مدارس میں تقریر و تحریر کا انتظام کرنا چاہئے	۸۶
(۹) طلبہ کی رائے کے مطابق تعلیم مناسب نہیں ہے	۸۶
(۱۰) مدارس میں تجوید اور اخلاق کی کتاب داخل درس ہونا ضروری ہے	۸۶
(۱۱) مدارس کا باہم تصادم بہت نقصان دہ ہے	۸۷
مسلمانوں کو تنبیہ	۸۸
(۱۲) بعض مدرسین کی کوتاہی	۸۸
چوتھی فصل	
واعظین و مصنفین اور مفتیوں کی اصلاحات	۸۹
اہل علم کا وعظ نہ کہنا غلط ہے	۸۹
بعض واعظین کی کوتاہیاں	۸۹
تصنیف میں کوتاہیاں	۹۰
اصلاحات متعلقہ تصنیف	۹۰
فتوی دینے میں کوتاہیاں	۹۰
پانچویں فصل	
متفرق اصلاحات	
اہل علم کا لباس وغیرہ میں تکلف کرنا نامناسب ہے	۹۲

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

وَآتُوا كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ

چوں آیت مذکورہ دال ست بر وجوب ادای حقوق بر اہل حق

و رسالہ مفیدہ و صحیفہ منیفہ مسمّٰی

حقوق العلم

از تصانیف حضرت مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ

مشتمل بود بر حقوق علم و اہل علم۔ و تفصیل انیق دریں باب

بنائے علیہ

بندہ محمد متین ذکی دیوبندی کان اللہ لہ اہتمام طبعش نمود

در رجب سنہ ۱۳۶۵ ہجری

از مکتبہ اشرف العلوم شعبہ دار الاشاعت دیوبند شائع نمود

نوٹ: مکتبہ اشرف العلوم صرف اس غرض کے لئے جاری کیا گیا ہے کہ حضرت
حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کی جملہ تصانیف
کو عمدہ شائع کرے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

برصغیر ایشیا پر انگریز نے صرف مسلمانوں کے ملک ہی پر قبضہ نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے دل ودماغ پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کی، اس کے لئے انہیں جو سب سے بڑی رکاوٹ نظر آئی وہ تھی ''عوام کا علماء سے تعلق'' اس لئے انہوں نے عوام کو علماء سے دور کرنے کے لئے بہتیرے حربے استعمال کئے جس کے لئے انہوں نے علماء کرام کی ایسی باتیں جو ان کے خیال میں عیوب تھیں تلاش کر کر کے عوام کے ذہنوں میں پختہ کیا اور اس کام میں بہت سے نام نہاد مسلمانوں کو بھی شامل کیا جس کا منفی اثر پڑنا ظاہر تھا۔

جن عیوب کو عوام میں پرچار کیا، حقیقت میں وہ عیوب نہ تھے، بلکہ سمجھ کی غلطی یا نظر کا دھوکہ تھا، لیکن سادہ لوح عوام شکوک وشبہات کا شکار ہو کر علماء سے بےزار ہورہے تھے، اور رٹی رٹائی باتیں ان کی زبانوں سے بھی نکل رہی تھیں، جس کا ازالہ بہرحال ضروری تھا۔

یہ اللہ تعالیٰ کرم تھا کہ اس وقت مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ جیسی شخصیات موجود تھیں، جن کو واقعی اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت کے لئے چنا اور ان کی دینی خدمات کو مقبول بنایا۔

حضرت تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے اس بات کو محسوس کیا اور عوام میں پائے جانے والے شبہات کا جائزہ لیا، اور ان میں کیا حقیقت ہے اس کو واضح کیا۔ اور ہر ہر شبہ کو لے کر اس کا مفصل جواب تحریر فرمایا، اور جہاں کہیں شبہ میں کچھ واقعیت تھی اس میں علماء کے لئے راہ بھی متعین فرمادی۔

غرض اس کتاب میں عوام الناس کے لئے رہنمائی اور ان کے دلوں کی تشفی کا سامان ہے، تو علماء کے لئے بھی راہ عمل ہے، اس وجہ سے دونوں طبقوں کے لئے یہ کتاب مفید ہے۔

اور آخر میں ''ناصح الطلبہ'' کے نام سے مولانا عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کا ایک ضمیمہ شامل ہے، جس میں مدرسین وطلبہ دونوں کے لئے بہترین نصیحتیں ہیں، اور ان کے لئے مفید مشورے وتجربات ہیں، اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر توکلاً علی اللہ اس کی اشاعت کی جارہی ہے۔

یہ کتاب اگرچہ اردو میں ہے مگر آج کل عموماً لوگوں کے لئے فارسی وعربی پر مشتمل اردو سمجھنا دشوار ہوتا ہے، کیونکہ لوگوں نے اب فارسی وعربی کی جگہ انگریزی کو دیدی ہے، اس لئے اگر اس کتاب کی تسہیل ہوجاتی اور فارسی وعربی تراکیب سے اس کو خالی کردیا جاتا، اور آج کل کی عام فہم اردو میں اس کو ڈھالا جاتا تو اور زیادہ مفید ہوجاتی۔ اللہ کی توفیق شامل حال ہوئی تو ان شاء اللہ کسی وقت یہ کام ہوجائے گا۔

اس وقت بندہ نے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب مدظلہم کے فرمانے پر اس کتاب میں موجود آیات قرآنیہ واحادیث مبارکہ کا ترجمہ حاشیہ میں درج کردیا ہے، جس سے جوابات کے دلائل سمجھنے میں ان شاء اللہ مدد ملے گی، اور وہ حضرات جو عربی زبان سے ناواقف ہیں ان کو ان کا مطلب سمجھ میں آجائے گا۔ عنوانات کا بھی اضافہ کیا ہے اس سے بھی ان شاء اللہ پڑھنے والوں کو سہولت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر محنت کو قبول فرمائے اور اس کتاب کی خدمت کرنے والوں کے لئے اس کی اشاعت کو مغفرت کا ذریعہ بنائے۔

شفیع اللہ عفا عنہ اللہ
جامعہ دارالعلوم کراچی، کورنگی
۵/ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

علوم دینیہ سے بے رغبتی کے اسباب

یہ احقر اشرف علی رقم طراز ہے کہ جس مبحث پر میں اس وقت لکھنا چاہتا ہوں اجمالی تعیین اس کی عنوان بالا سے ظاہر ہے۔ اور تفصیلی تعیین اس کی یہ ہے کہ اس زمانہ میں علوم دینیہ کی طرف سے عام بے رغبتی کی جو حالت ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ اور سبب اس کا تامل سے کام لینے سے دو امر معلوم ہوئے ایک کا عام لوگوں سے تعلق ہے۔ دوسرے کا علما سے۔ امر اول عام لوگوں کی بے خبری ان تعلقات سے جو علوم دینیہ کو عام معاملات سے ہیں۔ یا ان کے وہ خیالات وشبہات ہیں جو علوم دینیہ کے نتائج واغراض یا طالبین ومحصلین علوم یا حال کے مقتدایان دین کے خاص حالات کی نسبت ان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور وقتاً فوقتاً خواہ تہذیب کے ساتھ یا مطلق العنانی کے ساتھ ان کی زبان اور قلم سے ظاہر ہوا کرتے ہیں۔

امر ثانی۔ اہل علم مشتغلین یا فارغین کے بعضے نامناسب افعال وناموزوں اعمال ہیں جو بوجہ نقص علم یا فقدان تہذیب وتربیت بعض سے صادر ہو جاتے ہیں اور عام لوگ ان پر مطلع ہو کر بقیہ کو بھی ان پر قیاس کر کے سب پر ایک حکم لگا کر علوم سے نفرت قائم کر لیتے ہیں یا اگر عام کو بھی احساس نہ ہو تب بھی بعض اعمال کے خود مفاسد ایسے ہوتے ہیں جو جمہور میں کوئی ایسا برا اثر جو شرعاً ناپسندیدہ ہے پیدا کر دیتے ہیں۔ چونکہ یہ بے رغبتی جو ان دو امر سے مسبب ہے سبب بن رہی ہے۔ یوماً فیوماً علوم کی کمی اور جہل کی

زیادت کا جو کہ اس کے لوازم سے یا اس کا عین ہے اور اس کا ثمرہ ہے بربادی آخرت کی بالذات اور بربادی دنیا کی بواسطہ جیسا کہ ارشادات حقہ سے ثابت ہے کہ عقائد و اعمال فاسدہ سے دنیا کا بھی خسارہ ہوتا ہے گو بوجہ فساد مدرکہ کے فی الحال محسوس نہ ہو لیکن مدرکہ سے کام لیتے سے فوراً مدرک ہو جاتا ہے کما قال اللّٰہ تعالیٰ اولا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین ثم لایتوبون ولا ھم یذکرون [1] وغیر ذلک من الآیات الکثیرۃ والاحادیث الوافرہ (چنانچہ کسی قدر بسط کے ساتھ یہ مضمون میرے رسالہ جزاء الاعمال میں مذکور ہوا ہے) اور اس صورت میں کون عاقل ہوگا کہ اس خسارہ دارین کے تدارک کی ضرورت میں اس کو کلام ہوگا؟ اور تدارک کا حاصل ہے رفع اسباب فساد۔ اور اس فساد کا سبب علم کی کمی تھی۔ اور اس کا سبب وہ دو امر بالا تھے۔ پس لامحالہ ان دو امروں کا ازالہ مرجع اخیر ہوا تمام تر اصلاحات کا۔

پس یہ تحریر مختصراً انہیں دونوں امور مذکور کی اصلاح ہے۔ یہ تفصیلی تعیین ہے اس مبحث کی۔ پس بنا بر تقریر ہذا اس تحریر کے دو جز ہوں گے۔ ایک عام اصحاب کو ان کی ان اغلاط پر متنبہ کرنا جو در باب علم و اہل علم ان کو واقع ہو رہی ہیں۔ دوسرا خاص حضرات اہل علم کو ان کے بعض امور اصلاحیہ کی طرف متوجہ کرنا جو علم و عمل کے متعلق ہیں۔ اور چونکہ یہ سب اصلاحات عامیہ و خاصیہ علم دین کے حقوق مہتم بالشان سے ہیں اس لئے اس تحریر کا نام حقوق العلم اور اس کے پہلے جز کا عنوان ”حقوق العلم علی العوام من اہل الاسلام“ اور دوسرے جز کا لقب ”حقوق العلم علی العلماء الاعلام والطلبۃ الکرام“ تجویز کرتا ہوں اور ان دونوں جزوں کو دو باب پر۔ پھر ہر جز کے مجموعی مضامین کو ایک ایک فصل پر منقسم کرتا ہوں۔

محرک اس کے (کہ وہ اس حیثیت سے مستحق دعائے خیر کے ہیں) مشفقی مکرمی منشی فضل حسین صاحب مالک رسالہ ضیاء الاسلام مراد آباد ہیں اور سبب تحریک

(۱) کیا ان کو نہیں دکھائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں (مگر) پھر بھی باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں۔ توبہ: ۱۲۶

(کہ وہ اس حیثیت سے مستحق دعائے برکت واعانت ہے)۔ ان کا ایک نیا پرچہ مسمی بہ المشیر ہے۔ جس کا موضوع خاص علوم دینیہ کی خدمت ہے اس کے جس پہلو کے بھی متعلق ہو۔ جس کا سلسلہ انہوں نے اپنے پرانے پرچہ ضیاء الاسلام ہی سے بقدر ضرورت شروع کردیا تھا مگر بیعنہ اور استقلال میں ماہیۂ واثر اجو تفاوت ہے اس نے ایک نئے پرچہ کی ضرورت کو بھی ثابت کردیا۔ اور اسی ضرورت سے مجھ کو اس کی تحریک کی پس امتثالا لامر الممدوح واحتسابا وخدمت دین میں اس تحریر کو اس پرچہ کی نذر کرتا ہوں اور اس تحریر کے ختم پر عجب نہیں کہ دوسرے مبحث کے ذریعہ سے اور کوئی خدمت دین تجویز کرکے اس پرچہ کی نذر کرسکوں۔ واللہ الموفق

الباب الاول فی حقوق العلم

علی العوام من اہل الاسلام

پہلی فصل

دین کے اجزاء

بعض لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ علم دین کا تعلق صرف نماز و روزہ سے ہے اور اس کے لئے چند اردو رسائل مسائل کا یا معمولی مولویوں کا وجود کافی ہے۔ جس کے لئے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں اور وجہ اس سمجھنے کی یہ ہے کہ اصل میں ان صاحبوں کو یہی خبر نہیں کہ دین کے کیا کیا اجزاء ہیں۔ اس لئے دین کو صرف روزہ نماز میں منحصر سمجھ رکھا ہے اور اول غلطی یہی ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ دین کے اجزاء کلیہ پانچ ہیں۔ عقائد۔ عبادات۔ معاملات۔ معاشرت۔ تہذیب اخلاق یا تربیت نفس۔ چنانچہ دلیل وتفصیل اس دعوی کی میرے رسالہ تعلیم الدین کے خطبہ میں موجود ہے (اور یہ رسالہ انہی پانچ اجزاء کی مختصر شرح ہے) اور جو شخص ہر وقت اپنے جمیع اقوال وافعال واحوال کو

تفصیل وارد یکھتا رہے گا اور ہر جزیئے کے متعلق احکام شرعیہ کی تفتیش کی فکر میں ہو گا اس کو معلوم ہو گا کہ نہ مختصر رسالے اس کے لئے کافی ہیں اور نہ معمولی مولوی۔ اس میں کس درجہ وسعت ہے اور اس کے ماہر کس قدر قلیل ہیں۔ اور کس درجہ جماعت کی اور حاجت ہے جن کو اس کا احاطۂ ضروریہ حاصل ہو۔ پھر اس جماعت کی تیاری کے لئے کس قدر سامان اور اہتمام کی ضرورت ہے اور موجودہ سامان اس کے مقابلہ میں کتنا کم ہے۔

دوسری فصل

علم دین کے دو مرتبے

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مولوی بننے میں اس قدر وقت صرف ہوتا ہے کہ پھر علوم معاش کے تحصیل کی گنجائش نہیں رہتی۔ پھر اگر علوم معاش کو حاصل نہ کیا جائے اور اولاد کو مولوی بنایا جاوے تو پھر کھائیں پئیں کہاں سے۔ پس اس کا انجام بجز ذلت اور پریشانی کے اور کچھ نہیں ہے اس لئے مولوی بننا ذاتی وقومی ترقی کو مضر ہے۔ ان صاحبوں سے اس میں چند غلطیاں ہوئی ہیں ایک یہ کہ علماء کے علم دین کو ضروری کہنے کے معنے یہ سمجھے کہ ہر شخص کو پورا مولوی بنانا واجب ہے۔ سو خوب سمجھ لیا جائے کہ علماء کا ہرگز یہ مقصود نہیں۔ کیونکہ علم دین کا ضروری ہونا اور بات ہے اور پورا مولوی ہونا اور بات ہے علم دین کی دو مقدار ہیں۔ ایک مقدار یہ کہ عقائدِ ضروریہ کی تصحیح کی جائے۔ عبادات مفروضہ کے ارکان وشرائط واحکام ضروریہ معلوم ہوں۔ معاملات، ومعاشرات میں جن سے اکثر سابقہ پڑتا ہے ان کے ضروری احکام معلوم ہوں۔ مثلاً یہ کہ نماز کن کن چیزوں سے فاسد ہو جاتی ہے۔ کن کن صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ اگر سفر پیش آوے کتنے سفر میں قصر ہے، اگر امام کے ساتھ پوری نماز نہ ملے تو بقیہ نماز کس صورت میں کس طرح پوری کرے قضا کے کیا احکام ہیں۔ زکوٰۃ کن اموال میں واجب ہے۔ اور اس کے ادا میں کیا کیا شرائط ہیں۔ علی ہذا۔ حج اور صوم کے احکام۔ اور یہ کہ نکاح کن کن عورتوں سے حرام ہے۔ کن الفاظ سے نکاح جاتا رہتا ہے۔ عدت ولایت نکاح کے کیا احکام

ہیں۔رضاعت کے اثر سے کون کون سے رشتے حرام ہو جاتے ہیں۔مبادلۂ اموال میں کیا کیا رعایت واجب ہے۔کسی جائداد یا آدمی کی اجرت ٹھیرانے میں کون کون سی صورتیں جائز ہیں کون سی ناجائز ہیں۔فیصلہ قضایا کا (اگر یہ شخص صاحب حکومت ہے) حسب قوانین شرعیہ کس طرح ہوتا ہے۔(گوان کے انفاذ پر قادر نہ ہومگر جاننا اس لئے واجب ہے کہ دوسرے فیصلوں کے حق ہونے کا اور شرعی فیصلوں کے ناحق ہونے کا اعتقاد نہ کر بیٹھے) کون کون لباس حلال ہیں کیا کیا حرام ہیں نوکریاں کون جائز ہیں کون ناجائز ہیں (اگرچہ بدقسمتی سے ناجائز ہی میں مبتلا ہومگر علم احکام سے اس کو قبیح تو سمجھے گا۔ اور دو جرموں کا مرتکب تو نہ ہوگا (ایک مباشرت فعل ناجائز دوسرے اس کو ناجائز نہ سمجھنا) ماکولات ومشروبات میں کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے اسباب تصریح میں کس کا استعمال درست ہے کس کا نادرست ہے، اخلاق باطنی میں محمود و مذموم کا امتیاز ہو۔اس کے معالجہ کا طریق معلوم ہو۔مثلاً ریاء و کبر وغضب وحرص وطمع وظلم وغیرذالک کی حقیقت جاننا ہوتا کہ اپنے اندران کا ہونا نہ ہونا معلوم ہو پھر بعد ہونے کے ان کے ازالہ کی تدبیر کر سکے اور کوتاہی پر استغفار کیا کرے یہ سب مقدار علم کی عام طور پر ضروری ہے کیونکہ بدون ان کے جانے ہوئے اکثر اوقات معصیت اور ناخوشی حق تعالیٰ میں مبتلا ہوگا۔

ہم نے ان احکام سے ناواقف اور علوم معاش کے اعلےٰ درجے کے واقف لوگوں کو سخت غلطیاں کرتے دیکھا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ متنبہ کرنے سے بھی متنبہ نہیں ہوتے کیونکہ ان علوم سے مناسبت ہی نہیں ایسے نمازیوں کو وطن میں عارضی قیام کے طور پر آنے میں قصر کرتے دیکھا ہے زکوٰۃ چندۂ حجاز ریلوے میں دیتے ہوئے پایا ہے۔روزہ میں سگریٹ پینے کو بعضے مفسد صوم نہیں سمجھتے۔حج میں بے سیئے ہوئے اور بنیان کے طور پر بنے ہوئے کپڑے کو گو وہ پاجامہ کرتہ ہی ہو پہننے کو بعضے امراء نے جائز سمجھا حقیقی بھانجے کی دختر سے نکاح حلال جاننے والا میں نے دیکھا ہے۔چاندی سونے کی مبادلہ میں یا حبوب وغلات کے معاملہ میں یا ریلوے و ڈاک خانہ کے قوانین میں بے احتیاطی کرنے کو کوئی بھی خلاف شریعت نہیں سمجھتا الا ماشاء اللہ سرکاری نرخ پر اگرچہ

مالک سواری کا راضی نہ ہو جبر کر کے کسی سے کام لینے کو برا سمجھنے والے شاذ و نادر ہیں نوکری اور لباس اور اسباب تفریح میں تو ایسے صاحبوں کے نزدیک کوئی جزئی ممنوع ہے ہی نہیں۔

اخلاق میں بجز تفاخر و تحقیر مسلمین وحرص دنیا کے جس کا نیا لقب اس وقت ترقی ہے سیکھا ہی نہیں جنھوں نے بعض علوم کو فرض عین فرمایا ہے اس بعض سے یہی مقدار مراد ہے اور فرض عین کا یہی مطلب ہے کہ یہ سب کے لئے عام طور پر ضروری ہے۔

اور دوسری مقدار یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے تجاوز کر کے مجموعۂ قوم کی ضرورتوں پر لحاظ کر کے و نیز دوسری معترض قوموں کے شبہات سے اسلام کو جس مضرت کے پہونچنے کا اندیشہ ہے اس پر نظر کر کے ایک ایسا وافی ذخیرہ معلومات دینیہ کا مع اس کے متعلقات ولواحق وآلات وخوادم علوم کے جمع کیا جائے جو سابقہ ضرورتوں کے لئے کافی ہو۔ یہ مقدار فرض علی الکفایہ ہے۔

علم کے ہر مرتبہ کو سیکھنے کا شرعی حکم

فرض عین کا حکم یہ ہے کہ ہر ہر شخص بانفرادہ اس کا مکلّف ہے جو شخص اس میں کوتاہی کرے گا وہ گنہگار ہوگا اور فرض الکفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ہر مقام پر ایک ایسی جماعت قائم رہے کہ ان ضرورتوں کو پورا کر سکے تو سب مسلمان گناہ سے بچے رہیں گے ورنہ سب گناہ میں شریک ہوں گے اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ علماء علم دین کو بایں معنے ضروری نہیں کہتے کہ ہر شخص اصطلاحی مولوی بنے پھر علوم معاش میں جرح واقع ہونا کیونکر لازم آیا جس کا وسوسہ عوام کو مانع ہو رہا ہے تحصیل علوم دینیہ سے البتہ یہ انتظام ہونا ضروری ہے کہ کافی تعداد میں ایک معتدبہ جماعت ایسی ہو جو ہر طرح علوم دینیہ میں کامل ومکمل محقق متبحر ہوں اور ایک بڑا حصہ عمر کا تحصیل میں اور تمام عمر اس کی اشاعت وخدمت میں صرف کریں اور اس کے سوا ان کو کوئی کام نہ ہو قرآن مجید کی اس آیت میں اس جماعت کا ذکر ہے ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون الی المعروف

وینھون عن المنکر[1] حدیثوں میں حضرات اصحاب صفہؓ کی یہی شان آئی ہے۔

علماء سے علم حاصل کرنے کا طریقہ

اور عام مسلمان اس جماعت سے تقریراً وتحریراً اپنی ضروری دینی حاجتیں رفع کیا کریں ان میں جو پڑھنے کے قابل ہیں جیسے کم عمر بچے یا وہ جو چندے یا قدرے معاش سے فارغ ہیں ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ اس جماعت سے سبقاً سبقاً کچھ رسالے عقائد ومسائل ابواب مختلفہ کے پڑھ لیں کہ اس طریق سے تھوڑے زمانہ میں بڑا ذخیرہ معلومات کا جمع ہو جاتا ہے پھر نئے واقعات کے متعلق وقتاً فوقتاً اس جماعت سے پوچھتے رہیں اور جو کسی سبب سے اس طرح پر نہیں پڑھ سکتے وہ اگر کم از کم ہفتہ میں ایک روز گھنٹہ دو گھنٹہ نکال کر ایک معین وقت پر جمع ہو کر کسی سمجھدار ذی علم سے درخواست کریں کہ وہ ان کو ایسے رسائل پڑھکر سنایا کرے اور سمجھایا کرے تو قریب قریب فائدہ مذکورہ کے ان کو بھی حاصل ہو، اور ضرورت کے وقت پوچھتے رہنا یہ تو تمام عوام بلکہ خواص وعلماء کے لئے بھی مشترک الوجوب ہے پھر ان طریقوں سے احکام پر مطلع ہو کر زبانی یا کتاب کے ذریعہ سے اپنے اپنے گھر کی مستورات کو پڑھاتے رہیں یا سناتے رہیں یا بتلاتے رہیں۔

دو شبہات کے جواب

اب اس مقام پر محبین دنیا کو دو شبہوں کی گنجائش ہے ایک یہ کہ ایسی جماعت جو ضرورات دینیہ کیلئے کافی ہے ہر جگہ موجود ہے اور سلسلہ بھی اس کا جاری ہے۔ پھر یہ کیا ضروری ہے کہ ہم اپنی اولاد کو بھی اس میں مشغول کریں بلکہ مولوی لوگ دین کی ترقی کیا کریں اور ہم اپنی اولاد کو دنیا کی ترقی کے لئے تیار کریں۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ ہم اپنی اولاد کو اگر مولوی بنائیں تو پھر یہ لوگ کھائیں کہاں سے اور یہی ہے ان صاحبوں کی

(۱) اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں۔ آل عمران/۱۰۴۔

دوسری اور تیسری غلطی منجملہ ان غلطیوں کے جن کے صدور کا دعوے اس فصل کے شروع کے مقولہ منقولہ کے جواب میں کیا گیا ہے۔

چنانچہ جواب شبہ اول کا یہ ہے کہ خود یہ غیر مسلم ہے کہ ہر جگہ ایسی جماعت موجود ہے ہندوستان کے علمی خطے چھوڑ کر آگے بڑھ کر جو حالت ہے اس کو ملاحظہ فرمایا جاوے تو دو قسم کے مسلمان ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں نظر آویں گے۔ ایک وہ شہر کے شہر انگریزی میں ایسے منہمک ہیں کہ پورے شہر میں کوئی شخص حلال وحرام کا بتلانے والا موجود نہیں دوسرے وہ جن کو نہ انگریزی سے مس ہے نہ علوم دین سے بالخصوص صدہا دیہات ایسے ہیں جہاں نماز جنازہ کا پڑھانے والا کوئی نہیں نکاح کا پڑھنا کوئی نہیں جانتا ذبح کے شرائط کوئی نہیں جانتا پڑھی ہوئی چھری سے ذبح کرتے ہیں ان کے بزرگوں کے وقت سے بعضے خاندانوں سے تعلق پیری مریدی کا چلا آتا ہے جن کی اولاد میں اس وقت محض جاہل اور طماع اور مکار رہ گئے ہیں وہ فصل پر بھی اور خاص خاص مواقع پر بھی دورہ کرتے ہیں اور اپنی جیب بھر لیجاتے ہیں اور غلط سلط باتیں بتلا کر جن میں اپنی مصلحتوں کی سرتاسر رعایت ہے مصداق ضلو فاضلو ا[1] کے بنتے ہیں بعض جگہ ایسے چھوٹے رہنما بھی نہیں ہیں وہاں کے لوگ بالکل ہندوؤں کی رسموں کے معتقد بھی ہیں اور عامل بھی ہیں بعضی جگہ عمر بھر بھی کسی عالم کا گذر نہ ہوا ہوگا اور اگر کوئی جا پھنسا ہوگا تو جان سے تنگ آ گیا ہوگا تو اب اس کہنے کی کب گنجائش رہ گئی کہ ہر جگہ ایسی جماعت علماء کی موجود ہے جماعت درکنار ایک شخص بھی ایسا موجود نہیں ہوتا تو کیا مسلمانوں پر واجب نہیں کہ وہاں کے لئے ایک جماعت تیار کریں پھر وہ جماعت بجز مولویوں کی جماعت کے اور کون ہوسکتی ہے غیر علماء اگر کبھی ہمت کر کے ایسے مقامات پر جاتے ہیں یا جاہل و بدعمل واعظوں کو بھیجتے ہیں تو تجربہ سے ان لوگوں کا ضرر نفع سے زیادہ ہوتا ہے جب مولویوں کا وجود، ضروری ہوا تو اس کا اہتمام بھی واجب ہوا تو پھر عام مسلمان خصوصاً امراء کا طبقہ، کس بھروسہ پر بے فکر بیٹھ سکتا ہے۔

---

(۱) ترجمہ: خود گمراہ ہوئے دوسروں کو گمراہ کیا۔

بعضے اہتمام کو ضروری بھی سمجھتے ہیں اور مکتب و مدارس بھی قائم کرتے ہیں اور خیر خواہی اسلامی وقومی کا دعوے کرتے ہیں مگر اس کام کے لئے اپنی اولاد کو کبھی تجویز نہیں کرتے اولاد کے لئے تو ڈپٹی کلکٹری و منصفی وسب ججی و بیرسٹری تجویز کی جاتی ہے اور مولویت کے لئے جس کو بزعم خود ایک ذلیل کام سمجھتے ہیں ذلیل لوگوں کو منتخب کیا جاتا ہے۔غور کا مقام ہے کہ جس کام کے لئے ذلیل لوگ منتخب کئے ہیں اس کام کی وقعت ان مجوزین کے قلب میں کیا ہوگی کیونکہ طبعی امر ہے کہ معزز کام کے لئے معزز لوگ تجویز کئے جاتے ہیں اور ذلیل کام کے لئے ذلیل لوگ منتخب ہوتے ہیں سوایسے لوگوں کا تجویز کرنا خود دلیل اس کی ہے کہ ان حضرات کے قلب میں خدمت دین ذلیل کام ہے۔

بس یہی ان کی بڑی شکایت ہے اور یہ علامت اس کی ہے کہ اس کو ضروری نہیں سمجھتے اگر یہ کام ضروری ہے اور باوقعت ہے اور اس کا اہتمام کرنا قومی واسلامی ہمدردی وخیر خواہی ہے تو اس شرف کیلئے اپنی اولاد کو کیوں تجویز نہیں فرمایا جاتا۔خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ قدرتی بات ہے کہ جو کام معزز طبقہ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے وہ عالم انظار میں معزز وضروری سمجھا جاتا ہے تو امراء کے ذمہ بہ نسبت غرباء کے زیادہ حق ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اس خدمت کے لئے وقف کریں پھر اولاد میں بھی اس کو تجویز کریں جو ذہین وفطین وسلیم وفہیم ہو نہ یہ کہ جو سب میں کودن (بیوقوف) ہو صاحب اس کو مولوی بنائیں گے جیسا کہ واقع ہورہا ہے۔

رہا دوسرا شبہ کہ ہم اپنی اولاد کو اگر مولوی بنائیں گے تو وہ کھائیں گے کہاں سے اگر یہ شبہ ان حضرات کو ہے جو اپنی اولاد کی تعلیم میں بیس بیس بلکہ چالیس چالیس ہزار روپیہ صرف کرتے ہیں تب تو یہ جواب ہے کہ اسی روپیہ کی اگر جائیداد خرید کر اسی فرزند کے نام کردیا جائے تو وہ قناعت اور راحت کے ساتھ اس کی آمدنی سے اپنی گذر کرلے گا۔ پھر یہ سوال ہی متوجہ نہ ہوگا۔ اور اگر یہ شبہ متوسط درجہ والوں یا غیر متمول

لوگوں کو ہے تو جواب اس کا قرآن مجید میں موجود ہے **للفقرآء الذین احصروا فی سبیل اللہ لایستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف، تعرفھم بسیمھم لایسئلون الناس الحافا، وماتنفقوا من خیر فان اللّٰہ بہ علیم.**(۱)

جس سے ایک قاعدہ مفہوم ہوتا ہے جس کو فقہاء نے سمجھ کر اس پر بہت سے فروع متفرع کئے ہیں وہ قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کی منفعت کے لئے محبوس ہو اس کا نفقہ اس پر واجب ہوتا ہے۔ نفقہ زوجہ کا زوج پر قضاۃ وولاۃ کا نفقہ بیت المال میں جس کا حاصل وجوب جمیع مسلمین پر ہے اسی قاعدہ پر متفرع ہے پس جواب کی تقریر یہ ہوئی ہے کہ جب یہ جماعت خدمت دین کے لئے جو مدلول ہے فی سبیل اللہ کا محبوس اور وقف ہے جو مدلول ہے احصروا کا تو ان کے حوائج کی کفایت کی قدر جو مدلول ہے فقراء کا ان کا حق مسلمانوں کے ذمہ واجب ہے جو مدلول ہے لام استحقاق کا تو جمہور مسلمین کو چاہئے کہ ان کے مصارف کی کفالت کریں خواہ تعین کے ساتھ جیسے مدرسین وواعظین کی تنخواہ خواہ بلا تعین جیسے متوکلین کی خدمت پس وہ شبہ منقطع ہو گیا اور اس آیت سے علاوہ قائدہ مذکورہ اور بھی چند فوائد معلوم ہوئے جن کو اس بحث میں گو دخل نہیں مگر تعلق ہے اس لئے ذکر کئے دیتا ہوں۔

ایک یہ کہ ایسی جماعت کو ذرائع تحصیل معاش میں بالکل مشغول نہ ہونا چاہئے۔ **لایستطیعون ضربا فی الارض**(۲) اس پر دلالت کر رہا ہے اور اس سے یہ

(۱) (صدقات) اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ناواقف ان کو مالدار خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے، تم ان لوگوں کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے۔ اور جو مال خرچ کرو گے بیشک اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ (بقرہ/۲۷۳)

(۲) وہ لوگ (طلب معاش کے لئے کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا عادۃً امکان نہیں رکھتے۔ بقرہ ۲۷۳۔

شبہ بھی جاتا رہا جو عوام الناس علماء پر دنیوی معاش میں اپاہج ہونے کا الزام دیتے ہیں اور ثابت ہوگیا کہ بایں معنی اپاہج ہونا ضروری ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ ایک شخص سے دو کام ہوا نہیں کرتے۔ خصوصاً جب کہ ایک کام ایسا ہو کہ ہر وقت اس میں مشغول ہونے کی ضرورت ہو بالید یا باللسان یا بالقلب اور خدمت دین ایسا ہی کام ہے اور تدریس علوم دینیہ یہ ذرائع معاش میں داخل نہیں بلکہ وہ تنخواہ بوجہ خدمت دین میں محبوس ہوتے کے ہے۔ مگر تعیین کے ساتھ ہے اور تعیین مصلحت قطع نزاع کے لئے ہے۔

ایک یہ کہ ایسے لوگوں کو کسی دنیادار کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرنا چاہئے بلکہ اغنیاء کی طرح مستغنی رہیں۔ **یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف**[1] اس پر دال ہے۔

ایک یہ کہ اموال کا سوال کسی سے نہ کرے **یدل علیہ لایسئلون الناس الحافاً**[2] چندہ کی ترغیب اس میں داخل نہیں وہ دعا الی الخیر ہے۔ اس میں اور سوال میں یہ آیت فرق بتلا رہی ہے **لا یسئلکم اموالکم الی قولہ ھا انتم ھؤلاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللّٰہ. الآیۃ**[3] ایک یہ کہ گو وہ سوال نہ کریں مگر دوسروں کو چاہے کہ اس کا تجسس رکھیں اور فراست وقرائن سے پہچان کر ان کی خدمت کریں **یدل علیہ قولہ تعالیٰ. تعرفھم بسیماھم**[4] ایک یہ کہ ان کی خدمت کر کے احسان نہ رکھیں کیونکہ وہ اپنے نفع کے لئے ہے۔ **یدل علیہ قول تعالیٰ. وما تنفقوا من خیر فان اللّٰہ بہ علیم.**[5]

---

(۱) ناواقف ان کو ان کے سوال سے بچنے کے سبب مالدار خیال کرتے ہیں۔ حوالہ بالا

(۲) وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے۔ حوالہ بالا۔

(۳) وہ تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا۔ اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری ظاہر کردے۔ ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں سب خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے بعضے تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں الخ۔ محمد/ ۳۶۔ ۳۸

(۴) تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو۔ حوالہ بالا

(۵) جو مال خرچ کروگے بے شک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے۔ حوالہ بالا

تیسری فصل

کیا مولوی بننے سے پست خیالی اور کم ہمتی پیدا ہوتی ہے؟

بعض دنیاداروں کا یہ اعتراض ہے کہ مولوی ہوکر پست خیالی اور کم ہمتی اور ذلت پسندی اور تنگ چشمی ودناءت اور قوۃ انتظامیہ کی کمی وغیرہ صفات رذیلہ پیدا ہوجاتی ہیں، چنانچہ طلبہ عربی کے حالات دیکھنے سے اس کا پتہ چلتا ہے اس لئے ان صاحبوں کو علوم دینیہ سے بددلی وبے رغبتی ہوگئی اور اپنی اولاد کیلئے ان رذائل کے اندیشہ سے مولویت کو پسند نہیں کیا یہ ہے حاصل ان صاحبوں کے حال اور خیال کا درباب علم دین وعلمائے دین کے۔ مگر ان صاحبوں نے ان احکام میں حقیقت شناسی سے کام نہیں لیا بالکل سطح نظر سے نہایت عجلت کے ساتھ بلا ثبوت فیصلہ کردیا جس کی بناء پر خود ان صاحبوں پر اگر ناواقفی وبے تحقیقی وتوہم پرستی وظاہر بینی وکوتہ نظری کا الزام لگایا جاوے تو بالکل صحیح ہے۔

اب میں حقیقت واقعیہ عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ ان الفاظ کے (جن کو صفات رذیلہ کا معبر ٹھہرایا ہے) اول صحیح مفہومات کی تعیین ضروری ہے تاکہ اس کا فیصلہ ہوتا کہ آیا ان حضرات معترضین نے انہی مفہومات میں ان کا استعمال کر کے اہل علم میں ان کا تحقق تحقیق کرلیا ہے یا ان مفہومات صحیحہ کو چھوڑ کر دوسرے معنے اپنی اصطلاح میں ٹھہرائے ہیں سو جہاں تک ان حضرات معترضین کے اقوال وافعال مین غور کرنے سے سمجھ میں آیا ہے یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں مال کی ترقی نہ کرنے کو پست خیالی اور ترقی کی فکر وتدبیر نہ کرنے کو جو کہ قناعت ہے کہ کم ہمتی اور اخلاق میں جاہ وکبر کی تحصیل نہ کرنے کو اور وضع میں سادگی اختیار کرنے کو ذلت پسندی اور اپنے پرائے کے حقوق کے امتیاز کو تنگ چشمی اور اسراف نہ کرنے کو دناءت اور دنیوی فضولیات میں انہماک اور دلچسپی نہ ہونے کے سبب اپنے بعض مصالح میں فروگذاشتوں کو فقدان قوت انتظامیہ نام رکھ لیا ہے اور اکثر اہل علم میں ان امور کو دیکھ کر ان کی طرف صفات رذیلہ کو منسوب

کیا ہے۔

سو واقعی ان امور کا اکثر اہل علم میں ہونا مسلم۔ مگر کیا یہ امور واقعی رذائل ہیں یا خلاف ان کے زعم کے فضائل ہیں۔ تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے تو قرآن وحدیث اس کے فیصلے کے لئے کافی ہے آیت کریمہ **زین للناس حب الشهوات من النساء والبنين والقناطير المقنطرة من الذهب والفضة والخيل المسومة والانعام والحرث ذلک متاع الحيوة الدنيا والله عنده حسن الماٰب قل اؤنبئكم بخير من ذلكم للذين اتقوا عند ربهم جنات تجری من تحتها الانهار. الخ**[1]

اور آیت کریمہ **الذين ضل سعيهم فی الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا**[2]

اور آیت کریمہ **ان الله لايحب كل مختارا فخورا**[3]

اور آیت کریمہ **وعباد الرحمن الذين يمشون على الارض هونا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما**[4]

اور **لاتاكلوا اموالكم بينكم بالباطل**[5]

---

(۱) خوشنما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے سونے اور چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر، نشان لگے ہوئے گھوڑے، مویشی ہوئے، اور زراعت ہوئی۔ یہ سب دنیوی زندگی کی چیزیں ہیں اور انجام کار کی خوبی اللہ ہی کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتا دوں جو ان چیزوں سے بہتر ہو، ایسے لوگوں کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں ان کے مالک کے پاس ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ آل عمران/۱۴،۱۵۔

(۲) یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گذری ہوئی اور وہ اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ کہف/۱۰۴۔

(۳) بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ لقمان/۱۸۔

(۴) اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں۔ فرقان/۶۳۔

(۵) اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق مت کھاؤ۔ بقرہ/۱۸۸۔

اور ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین[1]

اورحدیث المؤمن غر کریم والمنافق خب لئیم[2] وغیر ذلک من الأیات والروایات کوغور کرلیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ صفات مذکورہ جو اہل علم میں پائے جاتے ہیں آیا رذائل ہیں یا فضائل اور معترضین نے ان کا نام رذائل قرار دے کر ان کے مقابل میں جو فضائل ٹھیرائے ہیں نصوص میں ان پر وعیدیں وارد ہیں اور شریعت میں ان کے یہ نام ہیں۔ حرص وطول امل۔ کبر، عجب، اتلاف حقوق، اسراف وتبذیر۔ حب الدنیا، غفلت عن الآخرۃ۔ تو اب شریعت کے فیصلے کو مانیں یا ان مخترعین کے۔

اور اگر کوئی صاحب اسلامی فیصلہ پر راضی نہ ہوں تو حکمت واخلاق کی کتابوں کو دیکھ لیجئے کہ جن مفہومات کے مقابلے میں وہ الفاظ قبیحہ موضوع کئے ہیں یا ان کو اخلاق حمیدہ میں ذکر کیا گیا ہے یا اخلاق ذمیمہ میں اور اگر کتب اخلاق بھی حجت نہیں بلکہ خود یہ اپنے قول ہی کو حجت سمجھتے ہیں تو ہم کو بھی مقابلے میں یہ کہنے کا حق ہے کہ نہیں ہمارا ہی قول حجت ہے خاص کر جب کہ مؤید بارشادات انبیاء وحکماء بھی ہو۔ اب ان صفات کو سنئے جو علوم دین نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہیں اور اس حالت میں اور زیادہ پیدا ہوتی ہیں جب علم دین نہ ہونے کے ساتھ دوسرے علوم باطلہ یا صحبت اہل باطل نے بھی اثر کیا ہو ان کے یہ عنوانات ہیں۔ قارونیت، فرعونیت، ظلم، حمق، خربرہ جن کا حاصل بلفظ دیگر حرص وطول امل وغیرہ ہے جن پر وعیدیں وارد ہیں تو اگر علماء دین کو پست خیال ذلیل وغیرہ کہا جائے گا تو اس سے زیادہ ضروری ہے کہ ان کے مقابل دوسری جماعت کو قارون فرعون کہا جاوے۔

اور اگر ان الفاظ کے صحیح معنی لئے جاویں یعنی پست خیالی یہ کہ فقط اپنی تن پروری وشکم پروری سے مطلب ہو، اور دوسروں کو نفع پہنچانے کا خیال نہ ہو۔ اور کم ہمتی یہ کہ مشقت سے گھبراوے اور آرام کی فکر میں رہے اگر چہ حقوق ضرور یہ تلف ہونے لگیں

(۱) بے شک بے موقع مال اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ بنی اسرائیل/ ۲۷)

(۲) مومن بھولا بھالا شریف ہوتا ہے، ور منافق دھوکہ باز مکار ہوتا ہے۔

اور ذلت یہ کہ مال کو آبرو پر مقدم رکھے اور اس کی تحصیل میں غیرت اور حیا کو طاق میں رکھدے۔ اور تنگ چشمی یہ کہ ذرا ذرا چیز میں بخل کرے اور شریعت اور مروت کو چھوڑ دے تعلقات واجبۃ الحفظ کی کچھ پروانہ کرے اور دناءت وہی جو حاصل ہے ذلت و تنگ چشمی کا اور فقدان قوت انتظامیہ یہ کہ اوقات کا پابند نہ ہو جن ضوابط و آداب معاشرت کے ساتھ دوسرے کی مصالح وابستہ ہوں ان میں اختلاف کرے جس سے دوسرے کی مصلحتیں فوت ہوتی ہوں سو اگر یہ مراد ہے تو بلا شبہ یہ اخلاق رذیلہ ہیں اور یہ بھی مسلم ہے کہ بعض محصلین علم میں یہ اخلاق رذیلہ پائے جاتے ہیں۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ علم دین کا خدانخواستہ اثر ہے یا کسی اور چیز کا ہے۔ سو اس کا فیصلہ نہایت آسانی سے ہوسکتا ہے وہ اس طرح کہ یہ دیکھا جائے کہ آیا یہ اخلاق رذیلہ سب اہل علم میں ہیں یا بعض میں ہیں بعض میں نہیں شق اول تو بالمشاہدہ غلط ہے صرف دوسری شق متعین ہے تو اتنا تو ثابت ہوا کہ یہ علم دین کا اثر نہیں ہے ورنہ سب میں ہوتا تو ضرور کسی دوسری چیز کا اثر ہے سو وہ دوسری چیز میری تحقیق میں خاندان اور صحبت کی کمی ہے۔ یعنی بعضے لوگ خاندانی حیثیت سے پست خیال و دنی ہوتے ہیں اور اخلاق میں خاندان کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے بعض اوقات یہ لوگ اپنے شوق سے یا اسباب اتفاقیہ سے یا بعضے کھانا کپڑا چلنے کی غرض سے علم دین میں مشغول ہو جاتے ہیں اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ محض تعلیم تبدیل اخلاق کے لئے کافی نہیں تاوقتیکہ یا وہ فطری ہو یا اس کے لئے خاص تدابیر اختیار کی جاویں جن تدبیروں کو حضرات اہل طریقت نے مدون فرمایا ہے اور جن کا نفاذ حضرات مشائخ کی صحبت میں ہوتا ہے اور یہی راز ہے بیعت و خدمت مشائخ کا تو یہ شخص فطری طور پر خاندانی اثر سے خسیس و دنی ہے اور صحبت کا اتفاق ابھی ہوا نہیں اور نری تعلیم اس کے لئے کافی نہیں تو اب لامحالہ اس شخص میں یہ رذائل موجود ہوں گے اور وقتاً فوقتاً اس کے افعال میں ان اخلاق رذیلہ کے آثار ظاہر ہوں گے اب دیکھنے والے ان کو دیکھ کر تمام اہل علم کو ان پر قیاس کر کے سب پر ایک حکم لگاتے ہیں ان کے مقابل ان اہل علم کو کیوں نہیں دیکھتے جو خاندان سے عالی ہیں یا فطرۃً

سلیم ہیں یا صحبت نے ان کو درست کر دیا ہے ان کو دیکھیں تو معلوم ہو جائے کہ ان رذائل کے اسباب دوسرے ہیں۔

اور افسوس ہے کہ اس وقت چونکہ عالی خاندان لوگوں نے سرتاپا انگریزی کو اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے اور عربی کثرت سے ایسے ہی لوگ پڑھنے لگے جو خاندان سے دنی دہات میں رہنے کے سبب صحبت وتہذیب سے عاری اور اسباب تبدیل ابھی مجتمع نہیں ہوئے تو لامحالہ بہت سے لوگ ایسے ہی نظر آویں گے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علم دین نے کسی قدر ان کو مہذب بنا دیا ہے اگر علم دین بھی نہ ہوتا تو اور زیادہ بے تہذیب ہوتے جیسا کہ ان لوگوں میں بے علموں کو دیکھا جاتا ہے تو علم دین نے پھر بھی کچھ نہ کچھ تہذیب ہی کی ہے۔ پس علم دین کا اثر بے تہذیبی ہونا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ اور اگر ایسی طبیعت کے لوگ انگریزی پڑھتے تو ان سے بھی زیادہ رذائل ان میں پائے جاتے کیوں کہ علوم دینیہ میں تعلیم تو ہے تہذیب کی، وہاں تو یہ بھی نہیں۔

اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس الزام کا زیادہ وردمعزز اصحاب کا طبقہ ہے ان کے اعراض کے سبب دوسرے خاندان کے لوگ اہل علم میں زیادہ پائے گئے ان کو دیکھ کر بقاعدہ للاکثر حکم الکل سب پر یہ گمان ہوا اگر یہ خاندانی لوگ علوم دینیہ کی طرف توجہ کرتے اور اپنی اولاد کو اس میں کامل بناتے تو کثرت سے علماء ان میں پائے جاتے اور بوجہ علوم خاندان کے ان میں فضائل طبیعیہ زیادہ ہوتے اور رذائل مذکورہ مفقود ہوتے تو جب اکثر علماء ایسے نظر آتے تو للاکثر حکم الکل کے قاعدہ سے علماء کو جامع فضائل اخلاقیہ سمجھا جاتا اور علم دین پر اس اثر کا گمان نہ ہوتا چنانچہ جو علماء خاندانی ہیں بالخصوص اگر ان کو اہل طریق کی صحبت میسر ہوگئی ان میں سے تو کسی کو پست خیال کم ہمت تنگ چشم دکھلایئے گو کپڑے اور سامان ان کے پاس امیرانہ نہ ہوں مگر اس میں بھی شان ان کی یہ ہے۔ ؂

بہیں حقیر گدایان عشق را کایں قوم شہان بے کمرو خسروان بے کلہند

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی میں — کہ ناز بر فلک وحکم بر ستارہ کنم
موحد چہ برپائے ریزی زرش — چہ شمشیر ہندی نہی برسرش
امید وہراسش نباشد زکس — ہمین است بنیاد توحید وبس

بلکہ میں دعوے کرتا ہوں کہ بدون علم دین کے فضائل اخلاقیہ وسرچشمی وبلند نظری وعالی دماغی تہذیب واعتدال افعال وانتظام اقوال میسر ہونا ممکن نہیں چنانچہ بے علم امراء میں ان اخلاق کا کہیں نام بھی نہیں ہوتا لیکن مال کی بدولت خوشامدیوں کا اجتماع رہتا ہے اور وہ تحسین کرتے رہتے ہیں اس لئے ان عیوب پر پردہ پڑا رہتا ہے بقول مولانا ۔

خواجہ را مال است ومالش عیب پوش

لیکن محققین کی نظر میں وہ پردہ ساتر نہیں وہ اس حالت میں بھی ان کو قابل قدر نہیں سمجھتے بلکہ بعض اخلاق تو ایسے مذموم ہوتے ہیں کہ عوام بھی نفرت کرتے ہیں مگر ڈر کے مارے کچھ کہہ نہیں سکتے اور بعض اوقات پیچھے کہتے بھی ہیں اور جس روز یہ پردہ اٹھ جائے گا۔ کما قال اللہ تعالیٰ فکشفنا عنک غطائک[1] اس روز سب حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔ قال اللہ تعالیٰ یوم تبلی السرائر[2] وقیل ۔

فسوف تری اذا انکشف الغبار
افرس تحت رجلک ام حمار[3]

پس بفضلہ تعالیٰ اس شبہ کا علم دین سے بعض اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں بالکلیہ قلع وقمع ہو گیا ۔

---

(۱) سو ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا دیا۔ ق/۲۲۔
(۲) جس روز سب کی قلعی کھل جاوے گی۔ طارق/۹۔
(۳) عنقریب جب غبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ تیرے پاؤں کے نیچے گھوڑا تھا یا گدھا۔

باب اول کی تیسری فصل کے بعض اجزا کی ضروری توضیح اور تفریع

صفات دینیہ مذکورہ فصل بالا میں سے بعض کا جو شبہ اہل علم میں ہو جاتا ہے منشاء اشتباہ ان کا بعض واقعات جزئیہ ہیں جن کے عمق تک نظر نہ کرنے سے معترضین کو غلطی واقع ہو جاتی ہے۔ مثلاً بعض طلباء وعلماء کو دیکھا جاتا ہے کہ لکھے ہوئے لفافے دوسری طرف سے الٹ کر گوند سے جوڑ کر کام میں لے آتے ہیں لوگ اس کو دناءت وخست سمجھتے ہیں حالانکہ غور کر کے دیکھا جاوے تو حقیقت اس کی مال کو اضاعت سے بچانا ہے گو اس درجہ تک کی حفاظت واجب نہ ہو لیکن محمود اور اولی ہونے میں تو شبہ ہی نہیں متمدن اقوام کی عموماً اس پر مدح کی جاتی ہے کہ کوئی چیز بیکار نہیں چھوڑتے ہر چیز سے گو وہ کیسی ہی ناکارہ نظر آوے کام لیتے ہیں حتی کہ چیتھڑے گودڑوں کا کاغذ بنتے ہوئے خود احقر نے دیکھا ہے تعجب ہے کہ اس پر تو مدح ہو اور اس کی نظیر پر خردہ گیری کی جاوے نہایت ہی انصاف سے بعید ہے۔

اور مثلاً بعض اہل علم جب اپنے نام کے آئے ہوئے خطوط میں ایک سادہ کاغذ چڑھا ہوا دیکھتے ہیں۔ جس کا آج کل عام رواج ہو گیا ہے تو وہ اس کو جدا کر کے رکھ لیتے ہیں اور کام میں لاتے ہیں اس میں بھی اعتراض کی اور جواب کی تقریر مثل مثال اول کے ہے اتنا فرق ہے کہ اوپر کا فعل واجب نہ تھا اور یہ واجب ہے کیونکہ اوپر کی صورت میں لفافہ سے انتفاع تو ہو چکا ہے تو مکرر انتفاع کا اہتمام نہ ہونا اضاعت منہی عنہا نہیں ہے اور یہاں اس کو تل کاغذ سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا گیا تو اس سے کام نہ لینا بالکلیہ اضاعت مال ہے جس سے نہی آئی ہے **نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قیل وقال وکثرۃ السوال واضاعۃ المال**[1] اور اس کے مقابلے میں

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیل وقال (یعنی فضول بحثوں سے) اور زیادہ سوالات کرنے اور مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ان کوتل کا غذ لگانے والوں کو بلا شک وشبہ مسرف ومبذر کا لقب دیا جاوے گا۔

اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ چھدام کے کاغذ میں کیا اسراف ہوگا اہل قانون خوب جانتے ہیں کہ جب غبن جرم ہے تو ہزار روپے کا غبن جیسا جرم ہے ویسا ہی ایک پائی کا غبن بھی جرم ہے۔ اوراس کا مرتکب بھی اسی طرح مستحق سزائے فوجداری کا ہوتا ہے جیسا کہ زیادہ غبن کا مرتکب پھر کیا وجہ کہ قانون شرعی میں چھدام کے کاغذ کے برباد کرنے کو جرم اسراف میں داخل کرنے پر تعجب کیا جاوے۔

تنبیہ۔ بعض مدارس اسلامیہ میں بھی اس کا رواج ہو چلا ہے احتیاط واجب ہے۔ فقط

مال خرچ کرنے میں احتیاط بخل نہیں ہے

اور مثلاً بعض اہل علم پیسہ پیسہ کو سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہیں ہر چیز کم خرچ کرتے ہیں بیدریغ خرچ نہیں کرتے اس سے بخیل مشہور کردیے جاتے ہیں۔ حتی کہ بطور لطیفہ کے مشہور ہے کہ مولوی لوگ تو پہلے ہی صرف نحو پڑھ لیتے ہیں یہ نہ ہو خرابی ہے نحو کی۔ مگر اس کو بخل سمجھنے والوں کی حالت یقیناً مصداق ہے اس مصرعہ کی۔

حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء [1]

یعنی ان کا ایک نوع کا واقعہ تو دیکھا کہ وہ کفایت شعاری کرتے ہیں مگر اور تین نوع کے واقعے اس سے زیادہ مہتمم بالشان نہ دیکھے ایک یہ کہ جہاں اپنے پیسہ پیسہ کی حفاظت کرتے ہیں وہاں دوسرے کی ایک ایک کوڑی کا پاس کرتے ہیں یعنی ایک کوڑی کسی کی اپنے پاس رہ جانا گوارا نہیں کرتے ایک ایک پیسہ کے لقطہ کے مالک کو سخت اہتمام سے تلاش کرتے ہیں ہمارے ایک بزرگ اتفاق سے کبھی مدرسہ میں بیٹھ کر کوئی اپنا خط لکھ لیتے حالانکہ متولی وقیم کے لئے ایسے انتفاعات میں تنگی نہیں مگر وہ اس کو بھی گوارا نہ فرماتے اور خط لکھنے کے بعد ایک پیسہ مدرسہ میں داخل فرما دیتے کہ مدرسہ کی

---

(۱) ایک چیز یاد کرلی اور بہت سی چیزیں کھودیں۔

روشنائی خرچ ہوئی ہے ہم نے بعض کو دیکھا ہے کہ انھوں نے خط کا یا اس سے بھی کم تعویذ کا کاغذ مانگا اور کسی نے حاضر کیا اور معلوم ہو گیا کہ کسی نابالغ بچے کی ملک ہے تو ہرگز نہیں لیا واپس کر دیا۔ تو ان کو پیسہ سے محبت ہوتی تو ایسے انتفاعات سے کیوں احتیاط کرتے حب مال کے لئے تو حرص وطمع لازم ہے اس سے معلوم ہوا کہ بخل اور حب مال اس کا سبب نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی نعمت کی قدر کرتے ہیں۔ اور حقیقت حقوق کی سمجھتے ہیں اور حدود شرعیہ وعقلیہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

دوسرا واقعہ یہ کہ جہاں ایک ایک پیسہ سوچ کر دیتے ہیں وہاں جس جگہ خرچ کرنا شرعا یا عقلا ضروری ہو وہاں ہزاروں روپے کو ایک خس کے برابر نہیں سمجھتے اور سب سے زیادہ تقاضا خرچ کا ان کے قلوب میں پیدا ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف میں تردد وتوقف کا سبب بخل نہیں ورنہ جو شخص ایک پیسہ میں بخیل ہوگا وہ ہزاروں روپے میں کیسے سخی ہو جائے گا بلکہ سبب اس کا یہ ہے کہ علم وعقل اس کے کامل ہو جاتے ہیں اور ان دونوں کا مقتضا یہ ہے کہ جب تک کسی فعل کی غایت سمجھ میں نہ آوے اس فعل کو نہ کرے پس اسی لئے صرف کرنے کی غایت کو بھی وہ سمجھا جاتا ہے جب تک سمجھ میں نہیں آتی خرچ سے رکتا ہے اور جب سمجھ میں آجاتی ہے سب سے زیادہ خرچ کرنے والا یہی ہوتا ہے۔

رہا یہ کہ بے علم اور دنیا دار بھی تو کچھ غایت سمجھ ہی لیتے ہیں کیونکہ بدون اس کے تو صدور فعل اختیاری کا محال ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غایت ایسی دقیق نہیں جس میں تامل سے کام لیا جائے پھر اہل علم صرف سے کیوں رکتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل دنیا کے نزدیک جو غایت ہے وہ ان صاحبوں کے نزدیک غایت ہی نہیں یعنی نام ونمود وشہرت وتفاخر وغیرہ بلکہ غایت وہ ہے جس کے لئے مال موضوع ہے عقلاً وشرعاً سو وہ بعض بعض مواقع پر دقیق وغامض ہوتی ہے کہ اس میں تامل سے کام لیا جاتا ہے۔

تیسرا واقعہ یہ کہ جہاں صرف میں کمی کرتے ہیں تحصیل میں بھی کمی کرتے ہیں اور یہ نہیں کہ ان کو زیادہ ملتا ہی نہیں ہمارے چشم دید واقعات ہیں کہ ان کو بہت بہت ملتا

ہے اور وہ عذر انکار کر دیتے ہیں کہ ہمارے پاس کافی ہے زیادہ کیا کریں گے نیز اگر اتفاق سے ان کے پاس زیادہ سامان ہو جاتا ہے وہ اس سے متوحش ہو کر اپنے پاس سے جدا کر دیتے ہیں کسی جگہ تھوڑی سے تنخواہ ملتی ہے اور دوسری جگہ سے زیادہ پر بلائے جاتے ہیں مگر نہیں جاتے کہ زیادہ کیا کرنا ہے تو کیا یہ بخل کے آثار ہیں معلوم ہوتا ہے کہ عاقل ہیں ہر شئے میں ضرورت پر نظر ہے آمدنی میں بھی خرچ میں بھی۔

صرف عربی زبان جاننے کا نام مولوی نہیں ہے

اور کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ اخیر کا واقعہ تو ظاہری مولویوں میں نہیں دیکھا جاتا صرف درویشوں کے ساتھ خاص ہے سو اول تو پہلے دو واقعے ہی جواب کے لئے کافی ہیں تیسرا نہ سہی۔ دوسرے مولویوں سے مراد عالم باعمل ہے آپ اس کا نام درویش رکھ لیجئے جو ایسا نہ ہو وہ ہمارے نزدیک مولویوں میں داخل نہیں صرف لفاظ ہے ہم صرف عربی زبان جاننے والے کو مولوی نہیں کہتے۔ مصر اور بیروت میں بہت سے عیسائی اور یہودی عربی دان ہیں تو کیا ہم ان کو مقتدائے دین کہیں گے اور یہاں ہی سے جواب ہو گیا ایک دوسرے شبہ کا بھی کہ بعضے مولوی اول کے دو واقعے سے بھی معرا ہوتے ہیں پرائے مال میں ذرا احتیاط نہیں کرتے دوسرے کے حقوق کو مار لیتے ہیں کسی کی کتاب لیکر نہیں دیتے یا بے پروائی سے ضائع کر دیتے ہیں سو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ یہ سب اقتضائے علم کے خلاف ہے ایسا شخص ہمارے نزدیک علماء میں داخل نہیں پھر یہ کہ جس شخص میں یہ بے احتیاطیاں ہوتی ہیں اکثر ان کو حقوق کے درپے بھی نہیں دیکھا وہ ان میں بھی لا ابالی ہوتے ہیں ان پر بخل کا شبہ ہی نہیں واقع ہوتا جو جواب دیا جائے گو اس سے بڑھکر اس میں عیب ہو یعنی **عدم مبالاة فی الحق الواجب**[1] مگر اس وقت کلام شبہ بخل میں ہے۔

باریک لکھنے پر اعتراض کا جواب

اسی شبہ بخل کی ایک فرع ہے بعضے مولویوں کا بہت باریک قلم سے کارڈ پر بہت

---

(۱) حق واجب میں لاپروائی۔

سی عبارت لکھ دینا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا واقعہ اس کے جواب کے لئے کافی ہے وہ یہ کہ جس جگہ مخالفت قانون کے سبب شریعت اجازت نہیں دیتی وہاں ایک حرف لکھنا بھی گوارا نہیں کرتے مثلاً ایک طالب علم کا ارادہ کسی دوست کو اپنی خیریت کا ایک کارڈ لکھنے کا تھا جو اس کے پاس سے ابھی دوسرے شہر چلا گیا تھا اتنے میں ڈاکیا آیا اور اس نے اسی دوست کے نام کا ایک کارڈ جو اس طالب علم کی معرفت تھا اس کو دیا اور اس کے موجود نہ ہونے کی اطلاع پر ڈاکیہ نے درخواست کی کہ آپ اس کا پتہ بدل کر ڈاک میں چھوڑ دیجئے اب میدان خالی ہے اور یہ طالب علم قادر ہے کہ اسی کارڈ کے بین السطور میں اپنی خیریت لکھدے اور ڈاک میں چھوڑ آئے اور اس طرح سے اس کا کارڈ بچ جائے لیکن چونکہ قانون سے یہ ممنوع ہے اور ان مسائل میں قانون کے خلاف کرنا شرعاً جائز نہیں اس لئے یہ شخص کبھی ایسا نہیں کرے گا۔ اسی طرح بہت دفعہ خود میرے پاس ایسے خطوط آجاتے ہیں جن کا ٹکٹ ڈاک خانہ کی مہر سے صاف بچ جاتا ہے میں اس خط کے پڑھنے سے بھی پہلے یہ کام کرتا ہوں کہ اس ٹکٹ کو چاک کر کے پھینک دیتا ہوں حالانکہ اگر کوئی شخص اس کا استعمال کرے تو کسی کو پتہ بھی نہ چلے مگر تدین اس کی اجازت نہیں دیتا اس لئے ایسا نہیں کیا جاتا اسی طرح سب اہل علم اس تدین پر عمل کرتے ہیں ان واقعات سے ہر عاقل اندازہ کرسکتا ہے کہ کارڈ پر باریک قلم سے لکھنے کا سبب بخل نہیں ہے ورنہ دوسرے مواقع پر آثار اس بخل کے کیوں نہیں ظاہر ہوتے بلکہ منشاء اس کا بلا ضرورت زیادہ صرف نہ کرنا ہے جو عین مقتضائے دانشمندی ہے البتہ اس کے امتثال میں اتنا غلو کرنا کہ نگاہ پر زور پڑے یا وقت زیادہ صرف ہو جس میں دوسرا ضروری اور مفید کام کرسکتا تھا یہ بیشک مذموم ہے کہ دھیلا (آدھا پیسہ) کا تو فائدہ کیا اور نگاہ اور وقت کا کہ لاکھوں روپے کی چیزیں ہیں نقصان کیا۔

تواضع کو تذلل سمجھنا غلط ہے

اور مثلاً اکثر وضع ولباس اہل علم کا سادہ اور کبھی اپنے گھر کا دھلا ہوا اور کبھی

پیوند وغیرہ لگا ہوا کبھی بند یا بٹن کھلا ہوا دیکھا جاتا ہے اس سے ان پر تذلل کا شبہ کیا جاتا ہے لیکن اس شبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تذلل کی حقیقت ہی یہ حضرات نہیں سمجھے جو تواضع کو تذلل سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ عزت کا مدار استغناء اور تذلل کا مدار اظہار احتیاج ہے لباس ووضع کو اس میں اصلا دخل نہیں اگر کپڑے پرانے ہوں مگر ہفت اقلیم سلطان کا بھی دست نگر نہیں وہ معزز ہے اور اگر لباس ووضع نوابوں کا سا ہے ہزار روپے تنخواہ ہے ہزار روپیہ جائداد کی آمدنی ہے سامان امیرانہ بھرا ہے مگر نظر اس پر ہے کہ اس مقدمہ میں کچھ مل جاوے فلاں معاملہ میں کچھ ہاتھ آجاوے جو کہ رشوت ہے وہ شخص بالکل ذلیل ہے پس اہل علم کی یہ وضع کبھی تو محض تواضع کے سبب ہے کہ اپنے کو بڑا آدمی نہیں سمجھتے اور یہی بڑائی کی علامت ہے اور کبھی غایت مشغولی مہمات وامور عظام میں اس کا سبب ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ اور امر طبعی ہے کہ جو شخص کسی مہتم بالشان اور جلیل القدر کام میں منہمک ومستغرق ہوگا اس کو اپنی تن آرائی اور شکم پری کی فرصت نہ ملے گی چنانچہ تقریبات کے مہتممین اور سرکاری وقتی کے منتظمین کی حالت دیکھی جاتی ہے کہ وقت پر کھانا بھی یاد نہیں رہتا کئی روز کپڑے بھی بدلنے میں نہیں آتے کیا یہ تذلل ہے بلکہ غایت عزت ہے کہ اپنے منصبی فرض کو کس اہتمام سے انجام دے رہا ہے اسی طرح تجربہ ہے ریفارمر اور مصلح جس درجے خدمت اصلاح میں مستغرق ہوگا اسی درجہ اس کو اپنے تن بدن سے بے التفاتی ہوگی سو یہ صفت تو قابل قدر ہے نہ کہ محل اعتراض۔

کمروں کی صفائی نہ کرنے پر اعتراض اور اس کا جواب

اور مثلاً یہ کہ اکثر طالبعلموں کے حجروں میں کوڑے کا ڈھیر لگا رہتا ہے کبھی توفیق نہیں ہوتی کہ اس کو صاف کرلیں یہ بھی غایت کم ہمتی ہے اس شبہ میں کچھ واقعیت ضرور ہے مگر منشاء صرف اس کا کم ہمتی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایک دوسری بات بھی ہے یعنی انہماک تحصیل علوم میں کہ ان کو ایسے جزئیات کے لئے نہ وقت ملتا ہے نہ اس طرف توجہ ہوتی ہے اگر کم ہمت ہوتے تو رات رات بھر کیسے جاگتے، کوئی دوسرا جاگ کر تو

دکھلا دے اگر کم ہمت ہوتے تو دھوپ میں بڑی بڑی مسافتیں طلب علم کے لئے کیسے قطع کرتے فقر و فاقے کیسے جھیلتے کیا یہ علامتیں کم ہمتی کی ہیں اور یہ نہ سمجھا جاوے کہ یہ تحمل اضطراری ہے۔ ہرگز نہیں اس کی زندہ نظیریں موجود ہیں کہ ان کو اس حالت میں آرام کی نوکری مختصر تعلیم کی ملتی ہے تنخواہ بھی اچھی ہے قدر و منزلت بھی خوب ہے آسائش کا سامان بھی ہے مگر علوم میں ترقی نہیں بس اتنی بات پر تمام عیش پر خاک ڈال کر دیوانوں کی طرح بے سر و سامانی میں ایک مدرسہ کو قبلۂ توجہ بنا کر چل کھڑا ہوا اور مہینہ بھر میں پاؤں میں آبلے لیکر مدرسہ پہنچا اور چار مہینے وہاں فاقہ کی مصیبت اٹھائی مگر بزبان حال نہایت استقلال کے ساتھ نوا سنج ہے کہ۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

صاحبو یہ شخص قومی انجمن کا ڈرائیور ہے۔ ڈرائیور کو غسل اور صابون ملنے کی اور کوئلوں کے جھاڑنے کی فرصت کہاں اگر فرسٹ و سکنڈ کلاس کے متنعم اس پر اعتراض کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہم ولایت اسی کی بدولت پہنچے ہیں اور وہاں سے ڈگریاں حاصل کر کے فرسٹ و سکنڈ کا سفر کر رہے ہیں تو نادانی نہیں ہے تو کیا ہے مگر یہ ڈرائیور نہایت متانت سے ان کے سب اعتراضوں کے جواب میں اتنا کہہ دیتا ہے۔ مصرعہ

کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

اور جتنی کم ہمتی ہے اس کا سبب بھی یہی ہے کہ اپنا اصلی کام ان کو اس قدر تھکا دیتا ہے کہ پھر آرام کرنے کو جی چاہتا ہے اور یہ حالت انگریزی طالب علموں کو بھی پیش آتی ہے۔ مگر وہ اکثر خوشحال ہوتے ہیں ان کے نوکر چاکر ایسے کام کر لیتے ہیں اس لئے وہ عالی ہمت نظر آتے ہیں۔

طلبہ کے کپڑوں پر شبہ کا جواب

اور طالب علموں کو سر دھوئے یا غسل کئے ہوئے بہت بہت زمانہ گذر جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت میں صفائی نہیں رہتی۔ اس کے متعلق بھی بحث اور تحقیق

منشاء مثل اوپر کے ہے اور تعیین منشاء مذکور کا موید ایک واقعہ ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے بکثرت دیکھا ہے کہ جو طلبہ مسکن اور ملبس کی تزئین میں زیادہ رہتے ہیں وہ کمال سے محروم رہتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ منشاء اس کا انہماک فی المقصود تھا جب توجہ تزئین کی طرف ہوئی تو مقصود میں مشغولی نہ ہوگی اس کے لئے حرمان لازم ہے البتہ نظافت کا بالکل اہمال خود خلاف شرع ہے اس لئے اس کا انتظام بقدر ضرورت ضروری ہے اور اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ منتظم مدرسہ خواہ بذریعۂ ملازم یا خود طلباء کو تصریحاً حکم دے کر اپنی نگرانی میں ہفتہ وار ضروری صفائی کرادیا کرے۔

طلبہ کا بے ڈھنگا پن

اور مثلاً اہل علم کے افعال منضبط کم ہوتے ہیں چنانچہ طالب علموں کا بیڈھنگا پن تمام انتظامی امور میں دیکھا جاتا ہے اس اعتراض میں بھی کچھ واقعیت ضرور ہے مگر واقعیت کے ساتھ غلو بھی ہے اس کی تحقیق منشاء کی اور اس کا انسداد مثل بالا کے ہے اور ایک سبب ان اخیر کی مذکورہ کوتاہیوں کا یہ بھی ہے کہ بکثرت طالب علم خاندان سے گرے ہوئے ہیں اور سلیقہ کی کمی ان میں عام ہے پھر جو خاندانی ان میں ملجاتا ہے بحکم الغلبۃ للاکثر وہ بھی ان کا ہمرنگ ہوجاتا ہے پس ذمہ داران کوتاہیوں کا علم دین نہیں ہے۔ بلکہ خاندان اور صحبت کی کمی ہے۔

چوتھی فصل

کیا مولوی بدتہذیب ہوتے ہیں؟

تیسری فصل میں دنیاداروں کے وہ شبہات تھے جو ایسے اخلاق کے متعلق ہیں جن کا دوسرے سے زیادہ تعلق نہیں ہے ان کے بعضے شبہات وہ ہیں جو ایسے اخلاق کے متعلق ہیں جن کا دوسروں سے تعلق ہے اس فصل میں ان کا بیان ہے۔ پس اہل علم کی نسبت بعض کا یہ اعتراض ہے کہ اکثر اہل علم کو دیکھا جاتا ہے کہ سوال کے وقت غصہ

کرتے ہیں جس کے دوسبب معلوم ہوتے ہیں یا تو جواب نہیں آتا یا تعصب کا غلبہ ان کو جوش میں لاتا ہے چنانچہ اس کے بعض اور بھی آثار پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اپنی بات پر اصرار کرنا دوسرے کی بات کو سمجھنے کا قصد نہ کرنا۔ اور یہ اعتراض ہے کہ ان میں تہذیب کم ہوتی ہے جس سے دوسروں کو اذیت ہوتی ہے حیا کم ہوتی ہے۔ اور یہ اعتراض ہے کہ ان میں باہم حسد اور نفسانیت ہوتی ہے جس سے دوسروں کو تنگی ہوتی ہے کہ ایک کے پاس جاویں تو دوسرے کی شان میں گستاخی کریں یا سنیں دوسرے کے پاس جا کر پہلے کے لئے یہی معاملہ کریں اور یہ اعتراض ہے کہ ان میں جواب خطوط کی پابندی نہیں ہوتی ہے دوسرے کو تکلیف انتظار کی ہوتی ہے اس کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ یہ شبہ عربی خوانوں کے ساتھ کیوں مخصوص کیا جاتا ہے انگریزی کے فاضلوں میں یہ اخلاق بدرجہا زائد مقدار میں پائے جاتے ہیں ذرا خلاف بات ہو جائے غصہ سے بے خود ہو جاتے ہیں سخن پروری بوجہ کبر کے بہت کچھ کرتے ہیں تہذیب کی کمی تو ایسا امر مشاہد ہے جس میں بیان ہی کی حاجت نہیں جس کی طرف چاہا پشت کر لی جس کی طرف چاہا پاؤں مع جوتوں کے پھیلا دیا۔ بزرگوں کا ذرا ادب نہیں کیا جاتا۔ ماں باپ کے ساتھ مساوات بلکہ تحقیر کا معاملہ کیا جاتا ہے اس سے زیادہ کیا بے حیائی ہوگی حسد اور نفسانیت بلکہ تو تو میں میں ایک عہدۂ جلیلہ کے طالبوں میں گو اس پر تنخواہ بھی نہ ملے قابل دیکھنے کے ہے جس شخص کو قابل خطاب نہیں سمجھتے اس کا خط بے پڑھے ہی اگر چہ اس میں ٹکٹ بھی ہو پھاڑ کر ردی میں ڈالدیا جاتا ہے پھر اس میں عربی کی کیا تخصیص ہے بس اتنا فرق ہے کہ اگر اہل علم میں ان اخلاق کا کوئی اثر ہے اکثر منشاء اس کا دین ہے۔ اور ان اہل ترقی میں جتنا کچھ اثر ہے منشاء اس کا دنیا ہے مثلاً مولویوں کو دین کی بات پر غصہ آویگا اور ان حضرات کو دنیا کی بات پر آویگا چونکہ دین کی خود وقعت ہی ان کے قلب میں نہیں اس کے لئے ان کو جوش بھی نہیں آتا اس سے اپنے کو حلیم اور مولویوں کو تند خو قرار دیا ہے وعلی ہذا اور امور اعتراضیہ میں بھی یہ تو جواب الزامی تھا۔

اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ یہ شبہ بالکل غلط ہے کہ علماء کو نفس سوال پر غصہ آتا

ہے جو شخص ان کی صحبت طویلہ اختیار کرے اس کو اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ حضرات سوال میں کتنا غصہ کرتے ہیں غصہ اگر آتا ہے تو وہ دوسری بات پر آتا ہے وہ یہ کہ سوال ایک تو بطور استفادہ کے ہوتا ہے یعنی سچ مچ کسی شبہ کا رفع ہی کرنا ہے اور وہ سوال بھی ضرورت کا ہے اس پر تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ کوئی شخص کسی عالم کا غصہ لانا ایک جگہ بھی ثابت نہیں کرسکتا اور ایک سوال بطور تعنت یا تمسخر و مشغلہ یا محض اعتراض والزام کے ہوتا ہے چونکہ اس میں شریعت کی توہین ہوتی ہے تو جس کے دل میں شریعت کی عظمت ہوگی وہ اس توہین کو کب گوارا کرے گا اور اس ناگواری کے سبب اس کو غصہ کیسے نہ آوے گا۔

اسی طرح بعض اوقات سوال میں مخاطب کی اہانت ہوتی ہے اس پر ناگواری بھی امر طبعی ہے اور مذموم نہیں اسی طرح اگر فضول سوال کیا یا فضول ہونے کے ساتھ سائل کے فہم کے لائق بھی نہ ہوا اور سائل اس سمجھانے پر بھی کہ یہ سوال لایعنی ہے باز نہ آیا تو اس وقت غصہ آجانا طبع سلیم کا مقتضاء ہے جو کہ بجائے خود ایک کمال مطلوب ہے چنانچہ سید العلماء والحکماء حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود بعضے لایعنی سوالوں پر غصہ فرمانا احادیث کثیرہ میں وارد ہے کیا اگر کوئی شخص عدالت کی توہین کرے یا عدالت سے کچھ فضول سوال کرے ادنیٰ سی بات ہے کہ درخواست پر ٹکٹ لگانا اس کی نسبت سے پوچھنے لگے کہ ایسا قانون کیوں مقرر کیا گیا درخواست بلاٹکٹ کیوں نہیں لی جاتی یا اس فیس سے نصف فیس کیوں نہ مقرر ہوئی کیا توہین کو جرم اور اس فضول سوال کو ناگوار اور اگر باز نہ آئے تو کیا موجب غضب حاکم نہ کہا جاوے گا کیا اس غضب کو اخلاق رذیلہ میں داخل کریں گے۔ پھر کیا ایک عالم شریعت کو اہانت شریعت پر یا فضول سوال کے اصرار پر چشم نمائی یا زجر کا بھی حق حاصل نہیں اور کیا اس کو اخلاق رذیلہ میں شمار کیا جائے گا یا افعال جمیلہ میں۔

رہا تعصب اور عجز عن الجواب سو اول تو جب غصہ کا مبنی بتلا دیا گیا تو ان میں مبنی ہونے کا شبہ ہی نہ رہا لیکن اگر ان کو کوئی شخص مستقل شبہ قرار دیں تو جواب تعصب کا یہ ہے کہ اول تعصب کی حقیقت کو سمجھنا چاہئے تاکہ اس سے اعتراض کے صحیح غلط ہونے کا

اندازہ ہو سکے سو تعصب کے معنے ہیں ناحق کی پچ کرنا پس کسی پر تعصب کا حکم لگانا موقوف اس پر ہے کہ پہلے اس کے دعوے کا باطل ہونا ثابت کیا جائے سو جن مواقع پر حضرات معترضین اہل علم پر تعصب کا الزام لگاتے ہیں ان میں خود اکثر معترضین ہی متمسک بالباطل ہوتے ہیں اور اہل علم کو ابطال باطل پر متعصب قرار دیتے ہیں سو ظاہر ہے کہ اس صورت میں معترضین ہی متعصب کہلانے کے مستحق ہوں گے اور اگر تعصب سے مراد مطلق غضب وتشدد ہے اور مطلق غضب وتشدد کو بھی اخلاق رذیلہ میں شمار کیا جاتا ہے سو یہ ایک سخت غلطی اور علم اخلاق سے ناواقفی ہے کیا غصہ اور سختی کا کوئی موقع علم اخلاق میں محمود نہیں بتلایا گیا کیا اگر کسی کو عفیفہ ماں کے متعلق براہ شرارت سوال کرے کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کی والدہ ایک زمانہ میں چکلہ میں بیٹھا کرتی تھیں تو کیا کوئی شخص ٹھنڈے دل سے اس سوال کو سن کر ٹھنڈے دل سے اس کی تغلیط کر کے اس تغلیط پر دلائل قائم کرے گا۔ یا اگر ایسا کیا تو شرفاء اس کو بے غیرت قرار نہ دیں گے یا وہ شخص بے خود ہو جاوے گا اور غضب وشدت کو کام میں لاوے گا اور عقلاء کے نزدیک وہ غیور اور باحمیت قرار دیا جاوے گا اس سے معلوم ہوا کہ غضب کی جگہ غضب محمود ہے۔ حکماء کا قول ہے۔

درشتی ونرمی بہم دربہ است
چو فاصد کہ جراح ومرہم نہ است

تعجب ہے کہ ماں کے لئے تو اگرچہ وہ واقع میں کبھی ایسی رہی بھی ہو بیتاب ہو جانا اخلاق حمیدہ میں داخل ہو اور دین کے لئے اس پر اعتراض سن کر حالانکہ وہ واقع میں قابل اعتراض بھی نہیں ہے ذرا متغیر ہو جانا اخلاق رذیلہ میں داخل ہو خاص کر جب کہ معترض مسلمان بھی ہو اس کی اور زیادہ شکایت پیدا ہو کر زیادہ تغیر ہو جانا چاہئے یہی وجہ ہے کہ کفار سے مناظرہ کرنے کے وقت میں اعتراض سن کر اتنا غصہ نہیں آتا بلکہ اگر واقعات کو تتبع کیا جاوے تو جتنا مار گالیاں سننے والا بیتاب ہو جاتا ہے اہل علم باوجود اس کے کہ ماں سے زیادہ دین ان کو پیارا ہے اور اس میں تو احتمال لوث کا ہو سکتا ہے اور دین

میں کہ احتمال ہی نہیں اور اس حیثیت سے اہل علم کو حق تھا کہ دین کے متعلق کچھ بیہودگی سن کر اس شخص سے زیادہ بیتاب ہو جاتے مگر پھر بھی وہ بہت ضبط کرتے ہیں اور بجز تیزی لہجہ کے کوئی نا ملائم لفظ ان کے منہ سے نہیں نکلتا اس سے زیادہ صبر وتحمل کیا ہوگا۔ انصاف شرط ہے۔ رہا عجز عن الجواب سو کہیں تو سوال جہالت کا ہوتا ہے اس کیلئے حکماء کا قول ہے۔

جواب جاہلاں باشد خموشی

اور کہیں سائل کے فہم سے برتر ہوتا ہے اس کے لئے حکماء کا قول ہے۔

فہم سخن تا نکند مستمع
قوت طبع از متکلم مجوئے

کیا اگر آپ سے آپ کا سائیس درخواست کرے کہ مجھ کو اقلیدس کے پہلے مقالہ کی پانچویں شکل جو مامونی کہلاتی ہے اس طرح سمجھا دو کہ نہ اس میں اشکال سابقہ کا حوالہ ہو اور نہ اصول موضوعہ و علوم متعارفہ کا تو کیا آپ اس کو سمجھانے بیٹھ جاویں گے یا یہ فرما دیں گے کہ بھائی یہ تیری سمجھ سے باہر ہے اور اگر وہ پھر بھی اصرار کرے تو کیا آپ اس کو گدھا الو نہ کہنے لگیں گے اور کیا ایسا کرنے سے آپ کو کوئی شخص عاجز عن الجواب کہے گا یا عین حکمت پر عمل کرنے والا کہا جاوے گا البتہ جیسا اسی مجلس میں کوئی طالب علم اقلیدس کا فرض کیجئے اسی شکل کو سمجھنے آ جاوے تو اس وقت آپ کی زبان فوراً کھل جاوے گی اسی طرح اگر اسی مجلس میں کوئی طالب علم اس مسئلے کے متعلق پوچھنے آ جاوے اس وقت دیکھ لیا جاوے کہ علماء کیا کیا جواہر تحقیقات کے نثار کرتے ہیں۔ اور پہلا سائل ان تحقیقات کو اس وقت سن کر یہ بھی اندازہ کر لے گا کہ حقیقت میں یہ میرے فہم سے بالاتر تھا اور اس کے اعراض و سکوت کی وجہ بھی سمجھ لے گا کہ اس شعر کا مصداق ہے۔

ہر کہ اواز ہمزبانی شد جدا
بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

اور اس شعر کے مدلول کا مشاہدہ کر لے گا۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

اور شبہ کی تقریر میں جو بعض آثار تعصب کے بیان کئے گئے ہیں کہ اپنی بات پر اصرار کرنا اور دوسرے کی بات کو سمجھنے کا قصد نہ کرنا سو اگر وہ بات حق ہے تب تو حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا اور اس کے مقابلے میں لغو باتوں کی طرف التفات نہ کرنا عین مطلوب ہے پھر اس کو تعصب سے کیا علاقہ اور اگر وہ بات باطل ہے تو اس اعتراض کا عموماً علماء کو مورد بنانا محض ناواقفی اور قلت اختلاط مع العلماء ہے اور اگر بعض کی نسبت ایسا حکم کیا جاتا ہے تو ہم بھی اس کا انکار نہیں کرتے لیکن اس کا سبب علم دین نہیں بلکہ علم کے ساتھ تربیت نہ ہونا ہے کہ وہ بھی ایک قسم کی علم کی کمی ہے تو قلت علم اس کا سبب ہوا نہ کہ علم۔ ایک شبہ یہ تھا کہ اہل علم میں تہذیب کم ہوتی ہے اس میں بھی اول تہذیب کا کوئی معیار قرار دیجئے سو تتبع خیالات وحالات معترضین سے معلوم ہوتا ہے کہ معیار تہذیب کا آج کل یورپ کا رسم ورواج سمجھا گیا ہے سو خود اس معیار کے صحیح ہونے ہی کی کون سی دلیل ہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اہل یورپ کی کوئی رسم تہذیب سے گری ہوئی نہیں کیا خود بعض اہل یورپ اپنی قوم کی بعض رسوم کو قبیح نہیں بتلاتے اور کیا ان سے تنگ نہیں، کیا غیر مردوں سے ہاتھ ملانے اور ہنسنے بولنے کی رسم کو بھی خلاف تہذیب نہ کہا جاوے گا۔ وعلی ہذا اور بہت سی رسوم وعادات۔ پس معلوم ہوا کہ محض یورپ کی رسم کو معیار تہذیب قرار دینا باطل محض ہے۔

پھر وہ معیار کیا ہے سو وہ دو ہی چیزیں ہوسکتی ہیں یا عقل سلیم یا کوئی مذہب صحیح مگر سلیم ہونے کے لئے پھر کسی معیار کی ضرورت ہوگی کیونکہ عقول خود متفاوت ہیں پس معیار ہونے کی صلاحیت صرف مذہب صحیح میں ہوسکتی ہے کیونکہ اس کی صحت پر دلائل قطعیہ قائم ہیں اور مذاہب صحیحہ میں ایسے امور میں ناسخ ومنسوخ کا تفاوت اختلاف بھی نہیں ہوسکتا پس جب معیار تہذیب کا مذہب صحیح اور دین الٰہی قرار پایا تو خلاف تہذیب کا مصداق خلاف دین ہوا اب دیکھ لیجئے کہ دین کے خلاف علماء میں زیادہ افعال واخلاق

پائے جاتے ہیں یا غیر علماء میں اور اسی سے معلوم ہو جاوے گا کہ بے تہذیب کہلانے کا زیادہ مستحق کون ہے اور اگر کسی میں کوئی امر خلاف تہذیب واقعی پایا جاتا ہے تو اس کا سبب قلت تربیت ہے جیسا اوپر بیان ہوا اسی طرح شبہ قلت حیا کا ناشی اس سے ہے کہ حقیقت حیا کی تحقیق نہیں کی گئی سو حقیقت اس کی یہ ہے۔ انقباض النفس عما یکرہ۔ اب اس کراہت میں معیار کی ضرورت ہوگی کہ رسم ہے یا عقل سلیم یا دین صحیح اور مثل بحث تہذیب کے یہاں بھی دین صحیح میں معیار کا انحصار ثابت کیا جاوے گا اس کے بعد آسانی سے فیصلہ ہو جاوے گا کہ حیا کس میں کم ہے لوگ عموماً آج کل علماء کی بے حیائی اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ حضرات شرمناک مسائل فقہیہ کھلے کھلے لکھ دیتے ہیں اس کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ میڈیکل کالج میں عورتوں کو تشریح کی تعلیم دینے میں جتنی بے حجابی ہوتی ہے یہاں تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں یہاں صرف الفاظ ہیں اور وہاں ان الفاظ کے معانی کا مصداق۔

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

تعجب ہے کہ یہ تو بے حیائی ہو اور گوارا نہ کیا جاوے اور وہ بے حیائی نہ ہو اور گوارا کیا جاوے۔ اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ اگر معترض صاحب ان مسائل کو دین نہیں سمجھتے یا دین کے محفوظ رہنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تب تو قبل اس کے کہ مسئلہ مجوث عنہا میں کلام کیا جاوے اول خود انہی دو مقدموں کو ان کے سامنے ثابت کیا جاوے گا اور اگر اس کو دین بھی جانتے ہیں اور دین کے بقا کو بھی ضروری جانتے ہیں تو ان سے درخواست کرتا ہوں کہ پھر اور کوئی طریقہ ان مسائل کے محفوظ رہنے کا ارشاد فرمادیں کہ اس کو اختیار کیا جاوے البتہ آداب دین میں ہم کو یہ بھی تعلیم دی گئی ہے کہ زبانی تعلیم میں اگر عورتوں کو ایسے مسائل بواسطہ بتلانا ممکن ہو تو بلا واسطہ خطاب نہ کرے، سو اہل علم اس کا شدت سے التزام رکھتے ہیں کہ ایسے مسائل بواسطہ اپنی بیبیوں کے بتلاتے ہیں بلکہ احتیاط کیلئے اس وقت ایسے مسائل کے متعلق رسائل دینیہ میں تصریحاً اس مشورہ کو چھاپ بھی دیا گیا ہے کہ شرمناک مسائل لڑکیوں کے درس کے وقت نشان بنا کر چھوڑ دے یا تو

مستورات ان کو سمجھا دیں یا بعضے مسائل خود وہ سیانی ہو کر سمجھ لیں گی۔ اب بے حیائی کا کیا شبہ رہا۔

ایک شبہ یہ تھا کہ اہل علم میں باہم تحاسد و تنافس دیکھا جاتا ہے سو اس کا مورد اگر عموماً سب علماء کو قرار دیا جائے تو مشاہدہ اس کی تکذیب کرے گا اور بعض کی نسبت کہا جاتا ہے تو ہم بھی اس میں متفق ہیں لیکن اس کا سبب آیا علم ہے یا قلت تربیت۔ اس کو سمجھ کر پھر اس اعتراض کی صحت و بطلان کو دیکھا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر بضرورت تحصیل معاش یا حفظ صحت خاندان کوئی شخص اپنے بیٹے کے لئے طبیب بننے کو ضروری قرار دے کر اس کا اہتمام کرے اور ساتھ ہی ساتھ اطبائے شہر میں تحاسد و تنافس بھی دیکھے تو کیا محض اس سبب سے وہ اپنی رائے کو بدل دے گا یا رائے کو بحال رکھ کر اس کی کوشش کرے گا کہ میرے بیٹے کے ایسے اخلاق نہ ہوں اسی طرح یہاں بھی چاہئے کہ علم دین کا اہتمام کرو اور اخلاق کو درست کرو اور یہ امر کہ ہر جگہ پہونچ کر دوسرے کے لئے گستاخی کرنا پڑتی ہے یہ کوئی مجبوری نہیں، خدا تعالیٰ ذرا قوت تدبیر یہ عطا فرما دے تو بہت سہولت کے ساتھ اس سے بچ سکتے ہیں وہ یہ کہ خود تو ایسے مضمون کی ابتدا نہ کرے اور اگر صاحب مجلس ایسا کرے تو کچھ جواب نہ دے بلکہ فوراً کوئی مسئلہ پوچھنا شروع کر دے بس یہ شخص محفوظ رہے گا بلکہ خود وہ بزرگ مولوی صاحب چونکہ صاحب علم ہیں اس کو سمجھ جاویں گے اس لئے اپنی حرکت سے شرمندہ ہوں گے غرض یہ ایسے امور نہیں کہ ان کی وجہ سے خود علوم دینیہ سے اعراض یا انقباض اختیار کیا جائے۔

ایک شبہ یہ تھا کہ خط کا جواب نہیں دیتے اس کا جواب بھی یہی ہے کہ سب پر تو یہ اعتراض غلط ہے آپ اگر کام کرنے والوں کو دیکھیں تو آپ تعجب کریں کہ ایک ایک آدمی اتنا کام کیسے کرتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمۃ اب تک لوگوں کو یاد ہیں کہ کس التزام سے خط کا جواب دیتے تھے ایک بار میں نے کچھ سوالات لکھ کر بھیجے تھے اور اس وقت حضرت آشوب چشم میں علیل تھے اسی حالت میں نہایت تکلیف اٹھا کر سب کا جواب لکھا غالباً بیس تیس کے درمیان سوالات کا عدد تھا۔ اور اخیر میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا

کہ روایات اس لئے نہیں لکھی کہ آشوب میں مبتلا ہوں اور نقص ہے۔ اب بھی چشم بند کردہ لکھتا ہوں اور اگر ایسے بزرگواروں کے پاس سے جواب نہ آوے تو یا تو اصل خط ان کے پاس نہیں پہونچایا جواب ان کا ضائع ہوگیا یا اصل سوال کے ساتھ جواب کے لئے ٹکٹ نہ گیا ہوگا سو اگر جواب پر ٹکٹ لگادیں تو کہاں تک لگاویں۔ مثلاً اگر کسی کے پاس سولہ خط روزانہ کا اوسط ہو (چنانچہ احقر کے پاس اس اوسط سے کم ڈاک نہیں آتی) وہ اپنے پاس سے ٹکٹ لگایا کرے تو بارہ آنے یومیہ یعنی تیئیس روپے ماہوار خاص اسی مد میں اس کو خرچ کرنا پڑے تو اول تو اہل علم کو اتنی وسعت نہیں۔ پھر اگر کسی کو وسعت بھی ہو تو ہمت مشکل ہے جب کہ فرض و واجب بھی نہ ہو اور اگر بیرنگ بھیجیں تو تجربہ ہوا ہے کہ بہت لوگ بیرنگ جواب واپس کردیتے ہیں بعضے واپس تو نہیں کرتے مگر بدون انتظار جواب اور بلا انتظام ڈاک خود کہیں چل ہی دیتے ہیں جب ڈاکیہ کو نہیں ملتے تو وہاں سے خط واپس آتا ہے اور محصول مضاعف دینا پڑتا ہے اور اگر فرضاً سولہ کے سولہ خط واپس آیا کریں تو ڈیڑھ روپیہ روز یعنی پینتالیس روپے ماہوار اور اگر نصف ہی واپس ہوں تو تیئیس ہی روپے ماہوار اس مد میں خرچ ہوا کریں تو ان پر کس قاعدہ سے واجب ہے کہ وہ اتنا بڑا بار اپنے اوپر اٹھاویں البتہ خصوصیت کی جگہ ہر شخص بآسانی اس قسم کے بار کو اعتدال کے ساتھ برداشت کرتا ہی ہے۔ بلکہ چاہئے تو یہ تھا کہ ہر سوال کے ساتھ بطور فیس کچھ پیش کیا جاتا کہ اہل علم کی اعانت ہوتی خواہ ان کی ذات کی یا صرف آلات افتاء کی کیونکہ جواب کے لئے وقت بھی چاہئے کتب بھی چاہئیں کبھی معین بھی درکار ہوتا ہے خادم کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ ڈاک وقت پر لادے لے جاوے۔ وعلی ہذا۔ چنانچہ بعض اہل علم نے اس کا قاعدہ بھی مقرر کردیا ہے جس میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ خلاف شریعت نہ ہو سو اگر کہیں ایسا نہ ہو تو اسی کو غنیمت سمجھیں کہ ہم پر بار نہیں پڑا نہ کہ اہل علم سے مالی بار اٹھانے کے متوقع رہیں کہ ظلم عظیم ہے۔

پانچویں فصل

متفرق شبہات کے جوابات

اس میں بعض شبہات متفرقہ کا جواب ہے اور اس باب کی یہ اخیر فصل ہے۔

علماء کے درمیان عناد وحسد ہونے کا شبہ

ایک شبہ دنیاداروں کا اہل علم کی نسبت یہ ہے کہ ان میں باہم ردوقدح خوب ہوتا ہے کبھی زبانی گفتگو میں اور کبھی رسالہ بازی کے ذریعہ سے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں باہم عناد وحسد ہوتا ہے اور ہر شخص دوسرے کو گھٹانا اور مٹانا چاہتا ہے تو ایسے لوگوں سے اسلام کو بجائے نفع کے اورالٹا ضرر ہوتا ہے پس اس سے تو یہی بہتر ہے کہ مولویت کا سلسلہ ہی موقوف کیا جائے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو خدا تعالیٰ نہ کرے سب اہل علم ایسے کیوں ہونے لگے پھر ایک دو کو دیکھ کر سب پر ایک حکم لگا دینا انصاف اور حقیقت شناسی کے بالکل خلاف ہے جن لوگوں میں یہ مرض ہے ان کو خود محققین اہل علم بھی ناپسند کرتے ہیں۔ آپ ایسے حضرات سے استفادہ کیجئے جو ان امور سے منزہ ہیں اور دوسرے ہر ردوقدح کو حسد اور عناد پر محمول کرنا یہ بھی غلطی ہے۔ بعض دفعہ دونوں کی نیت بخیر ہوتی ہے مگر اختلاف تحقیق کے سبب ایک دوسرے قول کو رد کرتے ہیں۔ کیا وکلاء کا ہر مناظرہ نفسانیت پر محمول کیا جاوے گا یا حاکم بالا کا حکم ماتحت کے فیصلہ کو منسوخ کردینا اور اس کا رد لکھنا نفسانیت ہی پر ضرور محمول ہوگا۔

بعض دفعہ ایک کی نیت درست ہوتی ہے کہ ایک باطل قول کو محض مسلمانوں کے بچانے کے لئے رد کردیا یا اس کے قول حق کو کسی ایک صاحب باطل نے رد کیا تھا اس نے اس کا جواب دے دیا اس میں شرعا یا عقلا کیا قباحت ہوگی۔ بلکہ بعض اوقات یہ واجب ہوگا کیا اگر کوئی باغی جماعت پبلک میں باغیانہ خیالات پھیلادے اور ویسرائے یا لفٹنٹ گورنر ایک عام جلسہ میں ان خیالات کو بدلائل رد کردے تو کیا اس کو سلطنت کی

خیر خواہی نہ کہا جاوے گا پھر کیا وجہ کہ ایسے رد کو اسلام کی خیر خواہی اور ضروری نہ کہا جاوے تیسرے اگر بالفرض خدا نہ کرے وہ سب علماء ایسے ہوتے تب بھی کیا یہ اثر علم دین کا ہوتا جس کو سبب نفرت عن العلوم بنایا جاوے یا یہ اثر علم دین میں سے ایک جز پر عمل نہ کرنے کا ہوتا اور وہ جز تربیت واصلاح نفس ہے جس کی نہایت اہتمام سے تعلیم دی گئی ہے۔ پس اس سے تو علوم دینیہ کی اور بھی ضرورت ثابت ہوئی کہ اس سے تھوڑا سا بعد بھی کیسا مضر ہوا۔

پھر یہ کہ اگر کوئی عالم ایسا ہو بھی تب بھی وہ اپنے لئے ضرر رساں ہے یا دوسرے کم فہموں کے لئے کہ اس کی حقیقت نہ سمجھ کر مولویت کو مضر سمجھیں جس کو ابھی بیان کیا گیا ہے باقی فہیم تو سمجھ سکتا ہے کہ اس عالم کی مثال بد پرہیز طبیب کی سی ہے۔ کیا اس کی بد پرہیزی ان نسخوں کو بھی غیر مفید کر دے گی جو اس نے اپنی حذاقت و مہارت فن سے کسی مریض کے لئے تجویز کئے ہیں کیا اس حالت میں اس سے نسخہ نہ پوچھا جاوے گا وہ اگر ماہر ہے تو نسخہ تو مفید ہی بتلاوے گا اسی طرح اگر خدانخواستہ کوئی عالم حسد اور عناد کی بلا میں مبتلا ہو مگر تم کو تو مسئلہ صحیح بتلا دے گا۔ پھر تم اس سے منتفع ہونے میں کیوں حیلے نکالتے ہو۔

علماء کا آپس میں اختلاف کرنا

ایک شبہ یہ ہے کہ ان مولویوں میں اکثر مسئلوں میں باہم اختلاف ہوتا ہے، جس سے عام لوگوں کو عمل کرنے میں سخت حیرت ہوتی ہے کہ کس پر عمل کریں کس کو ترک کریں پس یہ مولویت کا سلسلہ بڑھانا اس اختلاف کو اور زیادہ وسعت دینا ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ کیا اطباء میں باہم تشخیص مرض و تجویز تدبیر میں اختلاف نہیں ہوتا۔ کیا اس اختلاف سے بھی ایسی ہی تنگی ہوتی ہے اور کیا اس تنگی کے بعد کوئی شخص اپنے مریض کو بدون علاج ہی چھوڑ دیتا ہے کہ اختلاف کی حالت میں کس کا علاج کریں تو لاؤ سب ہی کو چھوڑ دیں یا ایسا نہیں کیا جاتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کون طبیب زیادہ تجربہ کار اور ماہر

فن ہے اور کس کے ہاتھ سے مریض زیادہ شفایاب ہوتے ہیں۔ اگر اختلاف اطباء سبب نہیں ہوتا تنگی و ترک معالجہ کا تو اختلاف علماء کیوں سبب ہوتا ہے تنگی اور ترک عمل کا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جس امر کو ضروری سمجھتا ہے اس میں ایسے خیالات سنگ راہ نہیں ہوتے اور جس کو ضروری نہیں سمجھتا اس کے ترک کیلئے ادنیٰ سا حیلہ گو بیہودہ ہی ہو کافی ہو جاتا ہے جس طرح وہاں ایک طبیب کو (ایک خاص علامت سے جو اوپر مذکور ہوئی) ترجیح دے کر اس کا علاج اختیار کیا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ایک عالم کو اسی کی نظیر علامت سے (کہ کس عالم کو اہل فہم اور اہل دین علم اور عمل میں زیادہ سمجھتے ہیں اور کس کی تحقیقات نظر انصاف میں زیادہ اطمینان بخش ہوتی ہیں) ترجیح دیکر اس کے فتاوے کا اتباع کریں۔

اسی اختلاف علماء کے متعلق ایک اور رائے بھی دی جایا کرتی ہے کہ علماء کے لئے باہم اختلاف رکھنا بہت مذموم ہے ان کو اتفاق رکھنا چاہئے۔ لیکن غور کیا جائے تو اس رائے کا لچر اور مہمل ہونا نہایت بین ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہر اختلاف ہر شخص کیلئے مذموم ہے۔ اگر یہ ہے تو چاہئے کہ عدالت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہو جس میں ایک کا دعوی دوسرے کا جواب دعویٰ داخل ہو تو عدالت بجائے اس کے کہ تنقیح و تحقیق کا بار اپنے ذمہ لے اول ہی وہلہ میں محض اس بنا پر کہ یہ لوگ باہم اختلاف کرتے ہیں اور اختلاف مطلقاً مذموم ہے فریقین کو ہمیشہ سزا کر دیا کریں کہ ایسے جرم اخلاقی کے کیوں مرتکب ہوئے یا اگر اس جرم کو اس درجہ کا نہ سمجھے تو کم از کم ہر مقدمہ کو خارج ہی کر دیا جائے۔ کیا وجہ ہے کہ تحقیق واقعات کی کر کے ایک ڈگری دیتی ہے کیا وہ ایک مجرم اخلاقی کی طرف داری وحمایت کرتی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اہل اختلاف میں سے ہر ایک کو الزام دینا اور دونوں کو مشورۂ اتفاق دینا غلطی ہے بلکہ اول تحقیق کر کے متعین کریں کہ ان اہل اختلاف میں حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے جو حق پر ہو اس کی طرف ہو کر صاحب باطل کو مجبور کریں اور رائے دیں کہ تم کو اختلاف کرنا جائز نہیں تم فلاں شخص کے ساتھ اتفاق کرو۔ ورنہ قبل تعیین حق اگر وہ اتفاق بھی کرنا چاہیں تو آخر اس

اتفاق کا کوئی مرکز بھی تو ہونا چاہئے اور وہ متعین نہیں تو اتفاق کی کیا صورت ہوگی۔ اگر زید نے عمرو کو اپنے قول پر لانا چاہا اور عمرو نے زید کو۔ تو یہی اتفاق نہ ہوا اور زیادہ رنگ طبائع کا یہی ہے بھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ اتفاق کے استحسان پر اتفاق ہے پھر اتفاق نہیں ہوتا کیونکہ ہر شخص دوسرے کو اپنے نقطۂ خیال پر لانا چاہتا ہے اسی طرح دوسرا بھی۔ اور اگر زید نے عمرو کا قول لے لیا اور عمرو نے زید کا قول لے لیا تو پھر باہم اختلاف رہا گو صورت دوسری ہوگئی اور اگر نہ یہ ہوا نہ وہ ہوا بلکہ اول مرجح کی تلاش ہوئی کہ اس کا اتباع دونوں کریں گے تو اس کا حاصل وہی ہوا جو اوپر معروض ہوا ہے کہ اول تحقیق کر کے حق کو متعین کر لیں پھر صاحب باطل کو مجبور کیا جاوے کہ وہ حق کا اتباع کرے صاحب حق کو کچھ رائے نہ دی جاوے بہر حال نااتفاقی کا الزام جانبین کو دینا یہ ایک بے تحقیق اور غلط فیصلہ ہے۔

زمانہ کی مصلحت کا لحاظ نہ کرنے کا شبہ

ایک اعتراض عموماً علماء کی نسبت یہ ہے کہ علماء اپنے فتاوی میں مصلحت زمانہ کا لحاظ نہیں کرتے وہی پرانے مسائل بتلا دیتے ہیں حالانکہ زمانہ کی ضرورتیں بدل گئیں ہیں اور زمانہ کی ضرورت سے احکام بدل جاتے ہیں اب علماء کو چاہئے کہ سود کو اور معاملات ربویہ وفاسدہ کو درست کہدیں۔ یہ اعتراض اس قدر ظاہر البطلان ہے کہ اس میں رد ہی کی احتیاج نہیں۔ یہ تو جب کہا جاتا کہ شریعت کے احکام کسی بشر کے بنائے ہوئے ہوتے تو اس احتمال کی گنجائش تھی کہ اس بشر کو آئندہ مصالح پر نظر نہ تھی جب مصالح بدل گئے تو احکام کا بدل ڈالنا بھی مناسب ہے اور جس حالت میں وہ احکام خدا تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہیں خواہ بواسطہ وحی متلو یا وحی غیر متلو یا اگر وہ اجتہادی ہیں تو بوجہ غزارت علم وتدین وتورع ان مجتہدین کے ان میں استناد الی الوحی کا ظن زیادہ غالب ہے بہ نسبت ہمارے استنباط کے تو وہ احکام بھی بوجہ اس کے کہ قیاس مظہر ہوتا ہے مثبت نہیں ہوتا نیز ثابت بالوحی ہوئے بہر حال جب یہ سب احکام شرعیہ خدائے تعالیٰ کے مقرر کئے

ہوئے ہیں جن سے قیامت تک کی مصالح کی ایک جزئی مخفی نہیں تو ان میں یہ احتمال کب ہے کہ آئندہ مصالح کی رعایت نہیں کی گئی بلکہ جس مصلحت کی اس میں رعایت نہیں وہ واقع میں مصلحت ہی نہیں۔ اور مصالح کے تبدل سے احکام کا بدلنا وہاں ہے جہاں مبنی اس حکم کا کوئی خاص مصلحت یقینیاً ہو اور جہاں خود اسی کا تیقن نہ ہو تو مصالح تخمینہ ظنیہ پر مدار حکم نہیں ہے جیسے حطیم کو کعبہ کے اندر شامل نہ کرنا مبنی تھا مصلحت دفع تشویش عوام پر جب عبداللہ ابن زبیر نے اس مصلحت کا ارتفاع دیکھ لیا اور اندیشہ تشویش کا نہ رہا حطیم کو داخل کر دیا گو بعد میں ان کے مخالفین نے پھر خارج کر دیا بخلاف رمل فی الطواف کے کہ ظاہراً مصلحت اس میں اراءۃ قوت تھی مشرکین کو اور وہ اب نہیں ہے تو چاہئے تھا کہ وہ حکم مرتفع ہو جاتا مگر بعد فتح مکہ کے حجۃ الوداع میں بھی رمل کا ہونا یہ دلیل اس کی ہے کہ وہ ایک وقتی مصلحت تھی لیکن اصل میں مبنی حکم کا وہ نہ تھا اس لئے وہ حکم مرتفع نہیں ہوا سو منصوصات میں تو کسی علت نکالنے کی حاجت ہی نہیں البتہ اجتہادیات میں علت نکالی جاتی ہے مگر ہم کو علت نکالنے کی لیاقت نہیں ہے۔ جو اس کے اہل تھے وہ گذر گئے۔ کیا پارلیمنٹ وجلسہ وضع قوانین کا ممبر ہر قانون داں یا ہر دہاتی بن سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قوانین کے اسرار کا جاننا خاص ہی لوگوں کا کام ہے پس ہر ایک کو اس کا دعوے زیبا نہیں اس لئے یہ اعتراض بھی لغو ثابت ہوا۔

علماء کا لوگوں کے حال پر رحم نہ کرنے کا شبہ

ایک اعتراض مولویوں پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ مخدوم بنے گھروں اور مدرسوں اور مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور قوم کی تباہی پر ان کو رحم نہیں آتا اور گھروں سے نکل کر گمراہوں کی دستگیری نہیں کرتے۔ لوگ بگڑتے چلے جاتے ہیں کوئی اسلام کو چھوڑ رہا ہے کوئی احکام سے محض بے خبر ہے لیکن ان کو کچھ پروا نہیں۔ حتی کہ بعضے تو بلانے سے بھی نہیں آتے۔ اور آرام میں خلل نہیں ڈالتے جواب اس کا یہ ہے کہ اعتراض اس وقت کسی درجہ میں لوگوں کے حق میں صحیح ہوسکتا تھا کہ تبلیغ اسلام واحکام اب بھی فرض

ہوتی تب بے شک ضروری تھا کہ گھر گھر شہر شہر سفر کر کے جاتے یا کسی کو بھیجتے اور لوگوں کو احکام سناتے لیکن اب تو اسلام واحکام شرقاً غرباً مشتہر ہو چکے ہیں کوئی شخص ایسا نہیں جس کے کانوں میں اصولاً وفروعاً اسلام نہ پہنچ چکا ہو اور جو لوگ کسی قدر لکھے پڑھے ہیں ان کو تو بذریعہ رسائل مختلفہ مذاہب تک کا بھی علم ہے اور اگر کسی مقام پر فرضاً کوئی احکام کا بتلانے والا نہ بھی پہونچا ہوتا ہم اس مقام کے لوگ (اگر کل نہیں تو بعض سہی) دوسرے مقامات پر پہونچے ہیں اور احکام سنے ہیں (اور ان بعض سے دوسرے بعض کو پہونچے ہیں) بہرحال جن مقام کا ہم کو علم ہے ان میں سے کوئی مقام ایسا نہیں۔ جہاں اسلام واحکام نہ پہنچے ہوں۔

اور فقہاء نے کتاب السیر میں تصریح فرمادی ہے اور عقل میں بھی یہ بات آتی ہے جہاں اسلام واحکام پہونچ گئے ہوں وہاں تبلیغ واجب نہیں البتہ مندوب ہے پس جب تبلیغ واجب نہیں تو اس کے ترک پر ملامت کیسی اور اگر ترک مستحب پر یہ الزام ہے سو اول تو وہ محل الزام نہیں دوسرے اس سے قطع نظر اگر ان لوگوں کو کوئی شغل ضروری نہ ہوتو کچھ گنجائش بھی ہے۔ لیکن جو لوگ اسلام کی دوسری خدمتیں کررہے ہیں وہ بھی جب ضروری کاموں میں لگ رہے ہیں پھر گنجائش اس شبہ کی کہاں ہے دوسرے جس طرح علماء کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان گمراہوں کے گھر پہنچ کر ہدایت واصلاح کریں۔ خود ان گمراہوں کو یہ رائے کیوں نہیں دیجاتی کہ فلاں جگہ علما موجود ہیں تم ان سے اپنی اصلاح کرلو۔

تیسرے کیا یہ اسلام کی یہ خدمت صرف علماء ہی کے ذمہ ہے دوسرے دنیادار مالدار مسلمانوں کے ذمے نہیں یعنی ان کو بھی چاہئے کہ سمجھیں کہ علماء کو معاش سے فراغ نہیں آپس میں کافی سرمایہ یعنی روپیہ جمع کر کے علماء کی ایک جماعت کو خاص اسی کام کے لئے مقرر کریں اور ان کی کافی خدمت مالی کر کے معاش سے ان کو مستغنی کریں پھر وہ علماء معاش سے بے فکر ہو کر اس خدمت کو انجام دیں جس طرح مشنری لوگ بڑے بڑے مشاہرے پارہے ہیں اور جا بجا لیکچر دیتے اور رسائل تقسیم کرتے پھرتے ہیں اور

ہمارے حضرات معترضین کو جو یہ اعتراض مذکور علماء پر سوجھا ہے وہ انہیں مشنریوں کی مساعی کو دیکھ کر سوجھا ہے۔ اور یہ اس وقت کچھ عام عادت ہوگئی ہے کہ اصل حقیقت میں غور نہیں کرتے بس دوسری قوموں کے رسم ورواج کو اپنا رہنما بنا کر ان کی موافقت ومخالفت کو معیار استحسان وعدم استحسان کا قرار دیا ہے۔ چونکہ مشنری لوگ ایسا کر رہے ہیں اور علماء کو ایسا کرتے کم دیکھا ہے بس اعتراض کر دیا لیکن قطع نظر حقیقت مبنی کے جس کے متعلق بندہ نے اوپر عرض کیا ہے یہ بھی نہ دیکھا کہ اپنے علماء پر ان کے علماء کے برابر سعی نہ کرنے کا الزام دینے سے پہلے ہم یہ بھی تو دیکھ لیں کہ آیا ہمارے دنیاداران کے دنیاداروں کی برابری بھی اعانت مالی میں کرتے ہیں یا نہیں یہاں وہی مثل صادق ہے۔

حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء

البتہ اگر کوئی مقام ایسا ثابت ہو جائے تو بے شک وہاں تبلیغ اسلام کے وجوب کا انکار نہیں لیکن یہ وجوب علماء کے ساتھ خاص نہیں سب اہل اسلام پر بقدر اپنی اپنی وسع کے واجب ہوگا۔

تقریر وتحریر سے واقف نہ ہونے کا شبہ

ایک شبہ طالب علموں پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ تقریر وتحریر میں قاصر ہوتے ہیں لیکن اس شبہ میں نہایت بے انصافی سے کام لیا گیا ہے ایک دو کو دیکھ کر سب پر ایک حکم لگا دیا گیا ہے۔ کیا علماء وطلباء میں بے حد خوش تحریر وخوش تقریر بکثرت نہیں پائے جاتے کیا ان خوش بیانوں کا مقابلہ دوسری تعلیم کا کوئی بڑے سے بڑا فاضل کر سکتا ہے۔ پس جن طلباء میں اس کی کمی ہے اس کی ذمہ داری خود ان کی کوتہ ہمتی و بے توجہی ہے۔ البتہ اتنی ضرورت اس زمانہ میں ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مثل دیگر عام کی تعلیم کے خوش تحریری وخوش تقریری کی مشق کا اہتمام بھی مدارس میں بالالتزام کیا جاوے اس طور پر کہ وہ طلبہ کا اختیاری امر نہ رہے بلکہ سب کو اس پر مجبور ہونا پڑے مگر پھر بھی ایسے لوگ (گو قلیل ہی سہی) ثابت ہوں گے کہ ان کو فطری طور پر تقریر وتحریر سے مناسبت کم ہوگی سو

ایسے لوگ اپنے عمل کے لئے علم پڑھیں دوسروں کے افادہ کے لئے اور بہت لوگ مل سکیں گے یہ کیا فرض ہے کہ ہر کام ہر شخص کیا کرے اسی کے متعلق ایک شبہ خط کے خام ہونے کا ہے سو میرے نزدیک یہ امر کوئی قابل التفات نہیں خط کا صاف ہونا تو ضروری امر ہے کہ بے تکلف پڑھا جاوے کیونکہ بدون اس کے جو مقصود ہے کتابت سے وہی فوت ہوتا ہے۔ باقی باقاعدہ اور خوشنما ہونا یہ کوئی ضروری امر نہیں ہے اس کو ضروری سمجھنا یہ ایک عامی خیال ہے۔

دنیا کے قصوں سے بے خبر ہونے کا شبہ

ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ طالب علموں کو عقل کم ہوتی ہے معاملات کو نہیں سمجھتے اکثر دنیا کے قصوں سے بے خبر ہوتے ہیں اگر ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاوے جس کا تعلق کسی معاملہ سے ہو تو اس کو سمجھ نہیں سکتے اگر کوئی انتظامی کام ان کے سپرد کیا جاوے تو اس کو کر نہیں سکتے اس شبہ میں بھی نہایت ہی عدم تدبر سے کام لیا گیا ہے۔ اس معترض نے عقل اور تجربہ کو ایک قرار دیا ہے حالانکہ ان دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ کیا اگر کسی بڑے عاقل فاضل شخص کو یہ نہ معلوم ہو کہ فلاں کارخانے میں فلاں نمبر کا جوتہ کس قیمت کا ہے تو کیا اس کو اتنی بات پر بے وقوف کہدیں گے اگر کوئی ایسا کہے گا تو وہ خود اس لقب کے قابل ہوگا اسی طرح اہل علم کو جن معاملات سے سابقہ کم پڑتا ہے یا نہیں پڑتا۔ ان کے متعلق ان کی معلومات کم ہوتی ہیں یا نہیں ہوتیں اور ایسے ہی امور کی نسبت جب ان سے ناتمام عبارت میں سوال کیا جاتا ہے تو ان کو اس سوال کے اجزاء کے سمجھنے کی ضرورت ہونا پھر محل تعجب یا اعتراض کیا ہے کمی تو سائل کی ہے کہ اس کو اظہار واقعہ کا سلیقہ نہیں اور ایسے افہام و تفہیم کی احتیاج تو ہائی کورٹ کے ججوں تک کو ہوتی ہے کہ اکمل علماء قانون و افضل عقلاء ملک تسلیم کئے گئے ہیں اسی طرح ہم شب و روز دیکھتے ہیں کہ انگریزی خواں بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر کے سارٹیفکٹ لے کر آتے ہیں اور ادنیٰ سا کام سب انسپکٹری یا نائب تحصیلداری کا بھی بدون سکھلائے نہیں کر سکتے۔ تعجب ہے کہ

دونوں طرف ایک ہی حالت پھر اس حالت کا نام ایک طرف نا تجربہ کاری اور دوسری طرف بے عقلی رکھا جائے کیا یہ ظلم نہیں ہے۔ اگر اہل علم کسی طرف ادنیٰ توجہ کرتے ہیں تو وہ ان دنیا کے کاموں کو بھی ایسا اچھا کرتے ہیں کہ بڑے بڑے تجربہ کار دنگ رہجاتے ہیں چنانچہ اس کے زندہ نظائر بکثرت موجود ہیں۔

الباب الثانی

حقوق العلم علی العلماء الاعلام والطلبة الکرام

پہلی فصل

عمل کی ضرورت نہ ہونے کا غلط خیال

بعض طلباء یہ خیال کرتے ہیں کہ ابھی تو ہمارا زمانہ تحصیل علم کا ہے اس زمانہ میں عمل کی چنداں ضرورت نہیں بعد فراغ عمل بھی کرلیں گے اور یہ سراسر شیطانی دھوکہ ہے نصوص نے طلبہ اور علماء میں وجوب احکام میں کہیں فرق نہیں کیا پھر اس خیال کی گنجائش کب ہوسکتی ہے البتہ اعمال زائدہ جن میں زیادہ وقت صرف ہو وہ بیشک طلبہ کے لئے مناسب نہیں جیسے اوراد طویلہ ومجاہدات وریاضات اہل تصوف کے ان میں مشغول ہونے سے مطالعہ درس وتکرار سبق میں مشغول ہونا طالب علم کے لئے افضل ہے۔ بعض بیباک طلبہ میں ایک قول مشہور ہے **یجوز لطالب العلم مالا یجوز لغیرہ** اگر یہ اپنے عموم ظاہری پر رکھا جاوے تب تو اس کے جواب میں **ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین**[1] پڑھ دینا کافی ہے اور اگر عموم پر نہ رکھا جائے تو مطلق العنانی وبدعملی کے جواز کے لئے مفید نہیں اگر یہ کسی معتبر قائل کا قول ہے تو معنے یہ ہیں کہ بہت سے امور غیر اہل حاجت کے لئے درست نہیں جیسے صدقہ وخیرات کا لے لینا یا کوئی چیز کسی سے

---

(۱) اپنی دلیل لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ بقرہ/۱۱۱۔

ضرورت کے وقت مانگ لیناوہ طالب علم کے لئے بوجہ حاجت مند ہونے کے مباح ہے تو مدار اس حکم کا خاص وصف طالب علمی نہیں بلکہ احتیاج ہے۔ چونکہ طالب علم بھی اکثر صاحب احتیاج ہوتا ہے اس لئے یہ بھی ایک عنوان احتیاج کا ہوا پس غیر سے مراد اس بنا پر غیر محتاج ہوگا نہ مطلق غیر طالب علم اور ما اپنے عموم پر نہ ہوگا بلکہ بدلائل شرعیہ خصوص میں مستعمل ہوگا۔

دوسری فصل

علوم دینیہ کی طرف نسبت رکھنے والے بعض لوگوں کی غلطی

بعض منسوبین الی العلم علوم دینیہ کو ذریعہ اپنے اغراض فاسدہ دنیویہ نفسانیہ کا بنالیتے ہیں جس سے وہ خود تو بدنام اور بے وقعت ہوتے ہیں مگر اپنے ساتھ تمام جماعت اہل علم کو بدنام اور بے اعتبار ٹھہراتے ہیں۔

چو از قومے یکے بیدانشی کرد
نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

اگرچہ یہ معترضین کی بے انصافی وکوتہ نظری ہے کہ ایک پر سب کو قیاس کر کے سب پر ایک حکم لگا دیتے ہیں کیا اگر کوئی اناڑی عطائی خلاف اصول طب کسی کا علاج کرے یا کسی کو دھوکہ دے کر کچھ ٹھگ لے تو کیا ملک کے تمام ماہرین وسیر چشم اطباء کے کمال علمی وعملی کی نفی جائز ہوگی ہرگز نہیں لیکن عوام سے اس غلطی کا صدور زیادہ عجیب نہیں جب کہ منسوبین الی العلم سے اس سے بڑی غلطی یعنی علم دین کو آلۂ دنیا بنانے کا صدور ہوتا ہو کیونکہ علم ایک بہت بڑا سبب حامل علی العمل ہے جب کثیر العلم اتنی بڑی غلطی کرے تو قلیل العلم سے زیادہ بعید نہیں گو مطلق علم پر نظر کرتے ہوئے ایک درجہ میں بعید ضرور ہے اور وہ اغراض باوجود تعدد وتکثیر کے دو کلیوں میں داخل ہیں ایک طلب مال دوسرے طلب جاہ۔ طلب مال کی چند صورتیں ہیں بعضے ایسا کرتے ہیں کہ وعظ کو اپنا پیشہ بنالیتے

ہیں اور جگہ جگہ خاص اس غرض سے وعظ کہتے پھرتے ہیں کہ کچھ مال وصول ہو پھر بعضے تو حیاء وشرم کو بالکل بالائے طاق رکھ کر صریح سوال کرتے ہیں اور ان وعیدوں کو جان کر بھلا دیتے ہیں جو بلا اضطرار مانگنے کے باب میں وارد ہیں۔ مثلاً ترمذی میں ہے۔

عن حبشی بن جنادة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان المسئلة لاتحل لغنی ولا لذی مرة سوی الا لذی فقر مدقع او عزم مفظع ومن سال الناس لیکثر به ماله کان خموشا فی وجهه یوم القیامة ورضفا یاکله من جهنم فمن شاء فلیقل ومن شاء فلیکثر (مشکوٰة. باب من لاتحل له المسئلة) [1] بالخصوص علم دین کو آلہ اور ذریعہ بنانا موجب زیادہ وعید کا ہے چنانچہ احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ **عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تعلم علما مما یبتغی به وجه الله لایتعلمه الا لیصیب به غرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة** [2] یعنی ریحہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ **قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قرأ القران یتاکل به الناس جاء یوم القیامة ووجهه عظم لیس علیه لحمه.** [3] اور ظاہر ہے کہ کوئی اضطرار ان کو نہیں ہے دوسرے وجوہ حلال معاش کے موجود ہیں جن میں ایک وجہ حلال وہ بھی ہے جس کا قاعدہ باب اول کی

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امیر اور تندرست وقوی شخص کے لئے سوال کرنا جائز نہیں، ہاں اگر کوئی فقیر یا سخت حاجت مند ہو تو اس کے لئے جائز ہے، اور جو شخص مال بڑھانے کے لئے لوگوں سے سوال کرتا ہے تو قیامت کے دن اس کے چہرہ پر خراشیں ہوں گی۔ ایسا شخص جہنم کے گرم پتھروں سے بھنا ہوا گوشت کھاتا ہے، جو چاہے کم کھائے اور جو چاہے زیادہ کھائے۔

(۲) جس نے ایسا علم جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کی جاسکتی ہے، اس نے وہ علم دنیاوی غرض سے سیکھا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی بو بھی نہیں پائے گا۔

(۳) جس نے قرآن کریم کو لوگوں سے کھانے کی غرض سے پڑھا تو وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ ہڈی ہوگا جس پر گوشت نہیں ہوگا۔

دوسری فصل تحت آیت للفقراء الذین احصرو [1] الآیۃ میں مفصل مذکور ہوا ہے جس سے وعظ کی نوکری بطور مشاہرہ کے جائز ثابت ہوتی ہے اسی طرح اگر محض اشاعت احکام حسبۃً للہ کرے اور لوگ متفرق طور پر کچھ خدمت کردیں اور قلب میں کچھ طمع نہ ہو گو احتمال و وسوسہ ہو وہ بھی جائز ہے یہ دونوں صورتیں اسی قاعدۂ مذکورہ باب اول فصل ثانی میں داخل ہیں۔

اور امتحان اس کا کہ یہ کام حسبۃ للہ کیا جاتا ہے اور جو کچھ ملتا ہے وہ بطور جزائے حبس کے ہے یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ وعظ کہنے کے واسطے جانے کے لئے یہ شخص کن مقامات کو منتخب کرتا ہے آیا ان مقامات کو جہاں روپیہ ملنے کی زیادہ امید ہو یا ان مقامات کو جہاں تبلیغ احکام کی زیادہ ضرورت ہو صورت اول میں یہ شخص اس قاعدہ جواز کا مورد نہ ہوگا دوسری صورت میں ہوگا اور یہی امتحان ہے تدریس علوم دینیہ کی نوکری کرنے والے کا اس شخص کو کام مقصود ہے یا مال مقصود ہے اگر اس کی نظر تنخواہ پر ہوگی تو اگر ایک جگہ گذر ہوتا ہو اور وہاں علوم دینیہ کی ضرورت بھی زیادہ ہو تو ایسی جگہ کو چھوڑ کر ترقی پر نہ جاوے گا اور نہ خود کوشش کر کے ایسی جگہ جانا چاہے گا اور فقہا نے جو تعلیم علوم دینیہ یا وعظ پر اجرت کی اجازت دی ہے مراد اس سے یہی صورت ہے ورنہ اجرت علی الطاعات المقصودۃ المخصوصۃ بالاسلام کو حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ بوجہ نہی کے کسی طرح جائز نہیں رکھتے اور غالب یہ ہے۔

(اور اگر کسی محقق شافعی سے تحقیق کیا جائے تو کیا عجب یہ ظن صحیح نکلے) کہ شافعیہ جو بعض طاعات کی اجرت کو جائز رکھتے ہیں جیسے تعلیم قرآن وعلوم دین وہ مقید ہوگا اس صورت کے ساتھ جب کہ ثواب مقصود نہ ہو اور اس صورت میں وہ بھی اس نہی کے مخالف نہ ہوں گے جس سے حنفیہ نے تمسک کیا ہے جس میں قوس کے ہدیہ لینے کی نسبت سوال کیا گیا ہے کہ وہاں قرآن مجید ثواب کے لئے پڑھایا تھا اور اس تقریر پر فقہاء حنفیہ متقدمین ومتاخرین میں اجرت علی التعلیم کے جواز وعدم جواز میں اختلاف

---

(۱) خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو رکے ہوئے ہیں (اللہ کی راہ میں)۔ بقرہ/۲۷۳۔

لفظی ہے ورنہ حقیقۃً اجارہ کے ناجائز اور صورت اجارہ کے جائز ہوتے میں اختلاف کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی اور جواز میں جو یہ قید لگائی ہے کہ قلب میں کچھ طمع نہ ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جس کو شیخینؒ نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فما جاءک من هذا المال وانت غير منوف ولا سائل فخذه ومالا فلا تتبعه نفسك.[1]

احتمال، وسوسہ، طمع اور اشراف میں فرق

اور احتمال و وسوسہ اور طمع و اشراف میں فرق یہ ہے کہ اگر خیال ہوا کہ شاید کچھ ملے نہ ملنے سے اذیت نہ ہوئی تو صرف وسوسہ تھا اور اگر ایذاء اور رنج ہوا اور قلب میں شکایت اور ناگواری ہوئی کہ ان لوگوں نے کچھ نہیں دیا تو طمع اور اشراف تھا۔ یہ تو وعظ کے ذریعہ سے کمانے والوں کا بیان تھا جس کے متعلق یہ بھی ایک تجربہ اور استقراء ہے کہ اکثر ایسے لوگ باقاعدہ عالم اور ذی استعداد بھی نہیں ہوتے ورنہ کمال علمی کے لئے غیرت اور حمیت خواص لازمہ سے ہے اس سے ایسی بے حمیتی کا کام نہیں ہوسکتا۔ اور بعضے صریح سوال نہیں کرتے مگر ان کے طرز و انداز سے ان کا سائل ہوجانا معلوم ہوجاتا ہے ان کا حکم بھی مثل صریح سائلوں کے ہے گو وجہ دلالت دونوں جگہ مختلف ہو مگر مدلول تو واحد و مشترک ہے۔

مدرسہ یا انجمن کے لئے سوال کرنے کا حکم

اور بعضے بذریعۂ وعظ یا بلا وعظ محض ملاقات و خاص خطاب سے خود اپنی حاجت کے لئے سوال نہیں کرتے مگر کسی مدرسہ یا انجمن کیلئے چندہ طلب کرتے ہیں اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ واقع میں وہ مدرسہ یا انجمن نافع اور ضرورت پر مبنی ہے اور یہ شخص محض دینی منفعت اہل اسلام کو پہنچانے کے لئے بلا جبر و بلا کسی خداع و تلبیس کے

(۱) تمہارے پاس جو مال اس طرح آئے کہ تم اس کی لالچ اور سوال کرنے والے نہ ہو تو وہ لے لو۔ اور جو مال لالچ اور سوال کے ساتھ آئے اس کے پیچھے نہ پڑو۔

اس میں شریک ہونے کی ترغیب دیتا ہے پھر خواہ اسی قاعدہ مذکورہ باب اول فصل ثانی کے طور پر اس کی تنخواہ بھی اس مدرسہ یا انجمن سے ملتی ہے یہ صورت تو ہماری اس فہرست طرق مذمومہ طلب مال سے خارج ومستثنےٰ اور عموم مفہوم آیۂ **ھؤلاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ الخ** میں داخل ہے جیسا باب اول فصل ثانی کے اخیر میں مذکور ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ نہ اس انجمن یا مدرسہ کا انعقاد یا افتتاح اس غرض سے ہوا ہے کہ اپنا گذر ہو اپنی بسر کی ایک صورت نکلے اور اس کا نہ ہونا کچھ مضر نہیں یا یہ کہ وہ ضروری ہو مگر اس شخص کی نیت خاص اپنا دنیوی نفع ہو تو گو اس انجمن کی خدمت وابقاء کو ضروری کہا جاوے گا مگر اس شخص کے لئے یہ شیوہ حلال نہ ہوگا مطلقاً اور خصوص جب کہ طلب چندہ میں شرمانے سے دباؤ ڈالنے سے بھی کام لیتا ہو اس وقت مضاعف گناہ ہوگا بدلیل حدیث بیہقی ودارقطنی کے **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لاتظلموا الا لایحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ۔**(۱)

بعض کو اس میں یہ غلطی ہوتی ہے کہ کہتے ہیں کہ ہماری کیا وجاہت اور دباؤ ہے تو جو شخص دے گا خوشی ہی سے دے گا حالانکہ مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے اس کا حال دینے والے سے معلوم ہوسکتا ہے جب وہ ان بزرگ کے کہنے کے بعد کچھ دے چکے کوئی تیسرا آدمی جو اس سے بے تکلف ہو اس سے قسم دے کر پوچھے کہ تو نے خوشی سے دیا ہے یا ناخوشی سے بہت آسانی سے اس کا فیصلہ ہو جاوے گا۔

اسی سے حکم معلوم ہو جاوے گا یا ان رقوم کا جو لڑکی والے یا مساجد مدارس والے شادی کے مواقع پر لڑکے والوں سے فرمائش کر کے لیتے ہیں وہ لوگ خواہ رسم کی پابندی سے یا مجمع کی شرم سے یا محرک کے لحاظ سے دیدیتے ہیں بعض اوقات بلاتحریک بھی دیتے ہیں لیکن دینے کی بنا وہی رسم ہے کہ جانتے ہیں کہ نہ دینے سے یا مانگا جاوے گا یا بدنام کیا جاوے گا سو اس قسم کی رقمیں شرعاً حلال نہیں ہوتیں اور اس طرح سے مانگنا یا لینا درست نہیں ہوتا اور یہ رقوم سب واجب الرد ہیں اگر رد کی جاویں تو مالک رقوم کو

---

(۱) خبردار! ظلم مت کرو۔ خبردار! کسی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

واپس کی جاویں خواہ وصول کسی کے ہاتھ سے ہوا ہو کیونکہ یہ ذی الید نائب اس مالک کے ہیں تو ان کا ہاتھ اسی کا ہاتھ ہے۔

اور بعض کو یہ غلطی ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے لئے تو نہیں مانگتے اللہ تعالیٰ کے کام کے واسطے مانگتے ہیں لیکن یہ عذر محض باطل ہے اس لئے کہ معصیت ہر حال میں معصیت ہے دین کے واسطے بھی معصیت حلال نہیں ہو جاتی ہے بلکہ غور کیا جاوے تو اس کا قبح نقلاً وعقلاً زیادہ اشد ہے۔ نقلاً تو اس لئے کہ یہ شخص معصیت کو ذریعہ ثواب کا بنا رہا ہے تو حرام کو آلہ دین کا بنانا اور اس میں اعتقاد ثواب اور تقرب کا رکھنا یہ اشد معصیت ہے۔ فقہاء نے تو حرام میں ثواب کی توقع کو کفر تک کہہ دیا ہے۔ اور عقلاً اس لئے کہ ہر فعل اپنی غایت کے لئے مقصود ہوتا ہے اور غایت دین کے کام کی رضائے حق ہے جب اس کو خلاف شرع طریقہ سے کیا تو رضائے حق بھی نصیب نہ ہوئی تو خسر الدنیا والاٰخرۃ کا مصداق ہوا اور اگر اپنے نفس کے لئے گناہ کیا جاتا تو اس کی جو غایت تھی حظ نفس وہ تو حاصل ہوتا۔ پس دین کے لئے گناہ کا کام کرنا عقلاً بھی زیادہ برا ہوا دنیا کے لئے گناہ کا کام کرنے سے۔

اور گو یہ بلاء یعنی یہ فعل محض منسوبین الی العلم کا مخصوص ان کے ساتھ نہیں بلکہ بعض اہل وجاہت طبقۂ معززین دنیا کے بھی اس میں مبتلاء اور شریک ہیں۔ چنانچہ قومی انجمنیں اور قومی اسکول وکالج دنیوی تعلیم کے زیادہ انہی صاحبوں کے ہاتھ میں ہیں اور یہ حضرات بھی چندوں کے لئے بڑی بڑی تحریکیں کرتے اور خاص اثروں سے کام لیتے ہیں بلکہ ان کے سامنے تو ان بعض اہل علم کی کارروائی کسی شمار ہی میں نہیں کئی وجہ سے اول تو اہل علم میں بہت شاذ ونادر اس کام کو کرتے ہیں اور اہل وجاہت میں شاذ ونادر اس کام کو نہ کرتے ہونگے دوسرے اہل علم بہت تھوڑی رقم پر قناعت کرتے ہیں اور اہل وجاہت بڑی بڑی رقموں کو بھی کم سمجھتے ہیں۔ تیسرے اہل علم اکثر خطاب عام کرتے اور یہ حضرات خطاب خاص سے بھی کہیں نہیں رکتے۔ چوتھے اہل علم کا اتنا دباؤ نہیں پڑتا اور ان صاحبوں کا بہت دباؤ پڑتا ہے خود وجاہت کا بھی اور بعض جگہ حکومت کا بھی اور بعض جگہ

اس اندیشہ کا بھی کہ ان کا کہنا نہ ماننے سے شاید یہ ہم کو کوئی مضرت پہنچادیں۔ پانچویں اہل علم جب اس کو دین کے کام میں خرچ کرتے ہیں تو دینے والا اس قصہ کو دیکھ کر اکثر اپنی ناگواری کو مبدل بخوشی کر لیتا ہے جس سے وہ وبال استحصال بالکراہت کا خفیف ہو جاتا ہے اور یہ حضرات جہاں اس کو خرچ کرتے ہیں ظاہر ہے کہ دین تو ہے نہیں کہیں مباح ہوتا ہے اور اکثر معصیت تو دینے والے کا افسوس کبھی دور نہیں ہوتا اور اس وجہ سے اس خاص طرز سے استحصال کا وبال ہمیشہ گلو گیر رہتا ہے۔

غرض یہ بلا ان اہل وجاہت میں بھی مع زیادہ قابل زیادات پائی جاتی ہے اور اس وجہ سے ان حضرات کو اہل علم پر اس خاص عمل کے متعلق کوئی اعتراض یا نکیر کرنے کا بالکل حق حاصل نہیں لیکن کسی بلا کے عام اور مشترک ہونے سے اس میں جواز نہیں پیدا ہو سکتا اس لئے اہل علم کو اس کے ارتکاب کی یا اس میں اہل دنیا کے تقلید کی ہرگز گنجائش نہیں اہل دنیا جو چاہیں کریں اہل علم کو اپنے علم کے مقتضا کے خلاف ہرگز کرنا نہ چاہئے اول تو فی نفسہ عند اللہ بھی برا ہے۔ اور جان کر اور زیادہ برا ہے۔

فان كنت لاتدری فتلک مصيبة

وان كنت تدری فالمصيبة اعظم(۱)

پھر اس کا اثر دوسروں پر بھی برا پڑتا ہے۔ چنانچہ عام لوگ اکثر مواقع پر یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ میاں جب مولوی ایسا کرتے ہیں تو کیوں نہ کریں تو اس طور پر ایسے اعمال ضلال کے ساتھ اضلال کی بھی شان رکھتے ہیں اور ضلال واضلال کی وعیدیں مخفی نہیں صرف تین حدیثیں لکھے دیتا ہوں ایک ضلال کی ایک اضلال کی ایک مشترک شیخین نے روایت کیا ہے۔ **عن اسامة بن زيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يجاء بالرجل يوم القيمة فيلقى فى النار فتندلق اقتابه فى النار فيطحن فيها كطحن الحمار برحاه فيجتمع اهل النار عليه فيقولون اى فلان ماشانک الیس كنت تامرنا بالمعروف وتنهانا عن المنكر**

(۱) اگر تو نہیں جانتا تو یہ مصیبت ہے اور اگر تو جانتا ہے تو یہ اس سے بڑی مصیبت ہے۔

قال كنت امركم بالمعروف ولا اتيه وانها كم عن المنكر واتيه[1] اور حدیث ہے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سن سنة سيئة فعليه وزره و وزر من عمل بها من غير ان ينقص من اوزارهم شي[2] اور دارمی میں ہے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا ان شر الشر شرار العلماء وان خير الخير خيار العلماء۔[3]

علماء کو نصیحت

اس لئے علماء پر ضروری ہے کہ ایسے اعمال جو خلاف شرع وخلاف وضع ہوں ہرگز اختیار نہ کریں توکل پر دین کی خدمت کریں خطاب عام سے ترغیب الی الخير والانفاق في سبيل الله حسب موقع کر دینا مضائقہ نہیں اگر کوئی راغب الی الخیر میسر ہو جاوے جو مصارف خیر کا جویاں رہتا ہے اور پورا یقین ہو کہ خطاب خاص سے اس کی آزادی میں ذرا اختلال نہ ہوگا اور جو کچھ کرے گا بطیب خاطر کرے گا تو ان قیود کے ساتھ خطاب خاص کا مضائقہ نہیں۔ باقی ناجائز یا رکیک افعال عوام کے لئے علم دین سے موجب تحقیر اہل علم کی نسبت موجب تحقیر ہو جاتے ہیں جس کے انسداد کے زیادہ ذمہ دار اہل علم ہیں۔ یہ کلام تھا متعلق چندہ طلب کرنے کے بعضے ایسا کرتے ہیں کہ

(۱) قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا، اس کی آنتیں آگ میں نکل جائیں گی بس وہ ان آنتوں کے گرد ایسے گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔

اہل جہنم اس کے قریب آ کر اس سے کہیں گے اے فلاں تیری یہ کیا حالت ہے؟ کیا تو ہم کو نیکیوں کا حکم نہیں کیا کرتا تھا اور برائیوں سے نہیں روکتا تھا، وہ کہے گا کہ میں تمہیں اچھی باتوں کا حکم کرتا تھا مگر میں خود نہیں کرتا تھا، اور برائیوں سے روکتا تھا مگر میں خود بھی نہیں بچتا تھا۔

(۲) جس نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس کا گناہ بھی ہوگا اور اس شخص کا گناہ بھی ہوگا جو اس پر عمل کرے گا اور ان عمل کرنے والے لوگوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔

(۳) خبردار! بدترین خلائق بدترین علماء ہیں اور بہترین خلائق بہترین علماء ہیں۔

امراء واہل اموال سے اختلاط وارتباط اس غرض سے رکھتے ہیں کہ ان سے وقتاً فوقتاً کچھ حاصل ہوتا ہے اور اس غرض کے لئے گاہے یہاں تک نوبت آتی ہے کہ ان کے غرض کے موافق مسئلہ بتادیتے ہیں بلکہ بنالیتے ہیں۔ جس سے سردست تو وہ خوش ہوجاتے ہیں اور ان کی خوشی سے ان کا کچھ کام نکل جاتا ہے لیکن بہت جلدی ہی ان کی نظر سے گر جاتے ہیں اور پھر وہ ان دوسرے علماء کو قیاس کرکے جماعت کی جماعت سے بدظن اور علم دین سے نفور ہوجاتے ہیں تو اس طور پر یہ لوگ متاع للغیر اور یصدون عن سبیل اللہ کے مصداق بنتے ہیں اس کی مذمت احادیث میں بھی وارد ہے۔ ابن ماجہ سے حدیثیں نقل کرتا ہوں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اناسا من امتی سیتفقھون فی الدین ویقرؤن القراٰن ویقولون نأتی الامراء فنصیب من دنیاھم ونعتزلھم بدیننا ولایکون ذلک کما لایجتنی من القتاد الاالشوک کذلک لایجتنی من قربھم الا قال محمد بن الصباح کانہ یعنی الخطایا.[1] **وعن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لو ان اھل العلم صانوا العلم ووضعوہ عند اھلہ لسادوا بہ اھل زمانھم ولکنھم بذلوہ لاھل الدنیالینالوا بہ من دنیاھم فھانوا علیھم.**[2] الحدیث. اور اختلاط میں جو

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو دین کا علم حاصل کریں گے اور قرآن کریم پڑھیں گے، اور کہیں گے کہ ہم مالداروں کے پاس جاتے ہیں اور ان کی دنیا حاصل کرتے ہیں اور اپنے دین کو ان سے بچالیں گے۔

حالانکہ ایسا نہیں ہوسکتا، جس طرح جھاڑیوں سے کانٹے کے علاوہ کچھ نہیں چنا جاسکتا، اسی طرح ان کے قرب سے برائیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) اگر اہل علم اس علم کی حفاظت کرتے اور انہیں سکھاتے جو اس علم کے اہل ہیں تو وہ ان کے ذریعہ اہل زمانہ کی قیادت کرتے۔ لیکن انہوں نے اسے اہل دنیا پر خرچ کیا تاکہ وہ ان کی دنیا حاصل کریں، بس وہ ان کے سامنے ذلیل ہوگئے۔

اس غرض کی قید لگائی کہ ان سے کچھ حاصل ہوتا رہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر اختلاط اس غرض سے ہو کہ ان کی اصلاح ہو ان کو احکام دینیہ بتلائے جاویں خصوص جبکہ وہ خود خواہش کریں اور ان کو حاضر ہونے کی مہلت نہ ہو تو یہ بلا تا قرینہ دین کا ہے ایسا اختلاط نہ مضر دین ہے نہ موجب مذلت ہے مگر جبکہ یہ قرائن سے یا شرط سے معلوم ہو کہ میں آزادی کے ساتھ حق ظاہر کرسکوں گا ورنہ اگر یہ معلوم ہو کہ ان کے بلانے کی غرض اپنے کسی خاص خیال کی تائید کرانا ہے تو اس جگہ جانا اوپر کی وعیدوں کا مصداق بنتا ہے اور ایسی حالت میں اگر وہ کچھ خدمت کریں لینے کا مضائقہ نہیں مگر مشورہ احقر کا یہ ہے کہ ہرگز قبول نہ کرے بلکہ جانے کے قبل شرط کرلے دینے لینے کا کچھ قصہ نہ ہو اس کا اثر فطری طور پر بہت اچھا ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں ان امراء کا حوصلہ نہیں پڑتا کہ اہل علم کو اپنا تابع بنانے کا وسوسہ بھی لاویں بلکہ ہر طرح ان کو ان کے تابع ہونا پڑتا ہے اور یہی امر مہتم بالشان ہے اور اگر خود امراء آویں تو یہ اختلاط منہی عنہ نہیں عین مطلوب ہے اس وقت ان سے بے رخی نہ کرے اخلاق سے پیش آوے مگر استغناء کو اب بھی ہاتھ سے نہ دے۔

بعض مولویوں کی غلطی اور اس کا نقصان

بعضے غرض مال کے لئے ایسا کرتے ہیں کہ کسی سے صراحۃً یا اشارۃً مانگتے وانگتے نہیں خود خدا تعالیٰ نے ان کو ظاہری غنی بنایا ہے۔ مثلاً تاجر ہیں زمیندار ہیں یا کسی کوٹھی میں نقد روپیہ جمع ہے اس سے منتفع ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کو کسی کے سامنے حاجت پیش نہ کرنے کی یا کسی کے ہاتھ کی طرف نہ دیکھنے کی نوبت نہیں آتی لیکن اپنے معاملات مالیہ میں ایسا کرتے ہیں کہ اگر شریعت پر عمل کرنے سے ان کی کوئی منفعت مالیہ ضائع یا مختل ہوتی ہو تو وہاں ضعیف تاویلوں سے اور غیر مشروع حیلوں سے (گو نام ان کا حیلۂ شرعیہ رکھتے ہیں) کام لیتے ہیں اور اس منفعت کو فوت نہیں ہونے دیتے اور ان دنیادار مولویوں پر یہ خصلت یہاں تک غالب ہوگئی کہ یہ جملہ عام لوگوں کے زبان

زد ہو گیا کہ مولوی اپنے مطلب کا مسئلہ جس طرح چاہیں بنا لیتے ہیں میرے نزدیک اگر گناہ کر کے سمجھے اور اپنے گناہ گار ہونے کا اقرار کرے اس کا مفسدہ اتنا نہیں ہے جتنا گناہ کو کھینچ تان کر کے جائز بنانے کا مفسدہ ہے عام لوگ گمراہ ہوتے ہیں علماء سے بداعتقاد ہوتے ہیں پھر وہ اپنے معاملات میں بھی تاویلیں اور حیلے پوچھتے ہیں اور اگر ان کو کوئی نہیں بتاتا تو وہ قیاس فاسد سے کام لیکر خود ہی من سمجھوتی کر لیتے ہیں گو ان کی تاویل اور بھی لغو اور مہمل ہو مگر عوام کو فرق کی تمیز کہاں۔

علماء کی شان تو یہ کہ اگر کوئی چیز بلا تاویل بھی جائز ہو مگر کسی وجہ سے اس کے ارتکاب میں عوام کو دینی مضرت ہو تو اپنا تھوڑا ضرر دنیا کا جس قدر تحمل ہو سکے گوارا کر لیں اور عوام کا دین بچائیں نہ کہ عوام کیلئے دروازہ فتنہ کا کھول دیں۔ دارمی میں اس مضمون کی ایک حدیث بھی ہے۔

عن زیاد بن حدیر قال لی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ھل تعرف ما یھدم الاسلام قلت لا قال یھدم زلۃ العالم و جدال المنافق بالکتاب وحکم الائمۃ المضلین ۔[1] لیکن اس سے کوئی شخص ان وجوہ تصحیح معاملات پر گو ان کو بھی بعض کتب میں بعنوان حیلہ تعبیر کیا گیا ہے شبہ نہ کرے جن کا بلا کسی نفسانی غرض کہ عام مسلمانوں کو مضائق میں سے نکالنے کے لئے اور ان کو معاصی سے بچانے کے لئے صورت اضطرار میں اذن دیا گیا ہے جیسا خود حدیث شریف میں **بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم التمر ونحوہ۔**[2] آیا ہے مابہ الفرق دونوں قسم میں یہ ہے کہ جس سے مقصود کسی مقصود شرعی کا ابطال ہو وہ مذموم اور جس سے مقصود کسی مقصود شرعی کی تحصیل ہو وہ محمود ہے۔ مثلاً ربوٰ کو شرع نے کہا ہے۔ اس کے لئے تدبیر

(۱) زیاد بن حدیر سے روایت ہے کہا کہ مجھ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ اسلام کو کیا چیز ڈھا دیتی ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں تو انہوں نے فرمایا عالم کی لغزش، منافق کا کتاب اللہ پر بحث و مباحثہ کرنا اور گمراہ پیشواؤں کے غلط فیصلے۔

(۲) ان سب کو دراہم کے بدلے فروخت کر دو پھر ان دراہم کے ذریعہ کھجور خرید لو۔

استعمال کرنا گناہ ہے اور جس جگہ ربو مقصود نہ ہو مگر خود اجناس ہی قیمت میں متفاوت ہوں لیکن اتحاد بدلین کے سبب تفاضل ممنوع ہو اس جگہ حدیث مذکور کے موافق تصحیح کر لینا جائز اور مشروع ہے۔ یہاں تک یہ سب بیان ہوا ان اہل علم کا جو علوم دینیہ کو آلۂ جلب مال کا بناتے ہیں۔

بعض علماء کا غلط خیال اور اس کا نقصان

اب آگے ان کا ذکر ہے جو علم دین کو طلب جاہ کا آلہ بناتے ہیں اور اس کی چند صورتیں ہیں۔ بعضے لوگ امراء سے ملنے کا خاص دلچسپی کے ساتھ اہتمام کرتے ہیں اور خیال ان کا یہ ہوتا ہے کہ ان سے ملنے سے لوگوں میں عزت و وقعت وعظمت بڑھے گی حالانکہ تجربہ و تتبع خیالات جمہور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس عادت سے عام لوگوں میں کوئی وقعت نہیں ہوتی بلکہ عام مسلمان اس کو اہل علم کے لئے عیب سمجھتے ہیں علماء کی عزت واقع میں بھی اور عام خیال میں بھی اسی ہی وضع پر رہنے سے ہوتی ہے جو اہل علم کی شان کے مناسب ہے یعنی خدمت دین واستغناء عن الامراء اور خوش خلقی غرباء کے ساتھ پس عامہ کی نظر میں تو کوئی وقعت نہیں ہوتی اور ان امراء کی نظر میں تو اس سے اچھی خاصی ذلت ہوتی ہے وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ جلب مال کی طمع میں ہم سے خوشامد کے لئے ملتے ہیں سو ان کی نظر سے بالکل ہی گر جاتے ہیں اور اگر کبھی ان کا دیا ہوا کچھ لے لیا تو رہی سہی وقعت بالکل ہی جاتی رہتی ہے یہ اثر ان امراء پر ہوتا ہے اور ایک اثر امراء وغرباء دونوں پر ہوتا ہے کہ ایسے علماء سے تحقیق دین واستغناء کے باب میں بالکل اعتبار واعتماد اٹھ جاتا ہے ان کے وعظ ان کے فتوے ان کی تحریرات پر ذرا وثوق نہیں رہتا عموماً یہ سمجھا جاتا ہے شاید یہ دنیاداروں کی خوشامد میں ایسا کہتے ہوں پس ان لوگوں کا علم محض غیر منتفع بہ ہو جاتا ہے اور ایک اعتبار سے یہ لوگ ان حدیثوں کے مصداق ہو جاتے ہیں۔

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل

علم لاينتفع به كمثل كنز لاينفق منه في سبيل الله.[۱] **رواه احمد والدارمي وعن ابي الدرداء قال ان من اشر الناس عند الله منزلة يوم القيمة عالم لاينتفع بعمله. رواه الدارمي.**[۲]

اور ایک اثر خود ان علماء پر یہ ہوتا ہے کہ ان امراء کی صحبت سے اور ان کے منکرات پر انکار نہ کرنے سے (کیونکہ اگر انکار اور منع کریں تو پھر ان سے لطف صحبت کہاں میسر ہوسکتا ہے جانبین سے انقباض ہو جاوے اور راز اس میں یہ ہے کہ ان کو مطلوب بنا کر ان سے ملا جاتا ہے لامحالہ ان کی حرکات غیر مشروعہ پر سکوت کرنا پڑتا ہے پس اس سکوت سے ان علماء کے اندر ایک کیفیت مداہنت کی پیدا ہو جاتی ہے اور صحبت کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کو ترقی ہوتی رہتی ہے۔ حتی کہ قلب سے پھر اس کا اثر زبان پر آتا ہے یعنی اول قلب سے حق کی عظمت اور باطل سے نفرت کم ہوتی ہے پھر زبان سے اظہار حق کی ہمت گھٹتی ہے پھر باطل کے ساتھ تکلم کرنا خفیف معلوم ہونے لگتا ہے پھر باطل کا صدور ہونے لگتا ہے حتی کہ ان امراء کو اس کا احساس ہو کر اس کا حوصلہ ہوتا ہے کہ وہ ان علماء سے اپنی نفسانی خواہش کے موافق توجیہات کرنے کی فرمائش کرنے لگتے ہیں اور یہ ان خواہشوں کو پورا کرتے ہیں اس مقام پر پہنچ کر ان کا قلب مسخ ہو جاتا ہے اور حق بینی کی استعداد بالکل ضائع ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی اہل حق سے جدال اور عناد پر آمادہ ہو جاتے ہیں اس حالت میں پھر ان کی اصلاح کی کچھ توقع نہیں رہتی اور یہ لوگ امت محمدیہ کے لئے ابلیس سے زیادہ ضرر رساں ہو جاتے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے اگر شیطان فارغ ہو بیٹھے تو بعید وعجیب نہیں۔

---

(۱) اس علم کی مثال جس سے نفع حاصل نہ کیا جائے اس خزانہ کی سی ہے جس میں سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہ کیا جائے۔

(۲) قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک رتبہ کے لحاظ سے سب سے بدترین شخص وہ عالم ہوگا جو اپنے علم سے نفع نہ اٹھاتا ہو۔

میں نے اپنی آنکھ سے ایسے ہی ایک طالب دنیا کا فتویٰ لکھا ہوا دیکھا ہے جس نے ایک ہزار روپیہ لیکر ایک خاص ترکیب تراش کر حقیقی ساس کے ساتھ نکاح حلال لکھ دیا تھا۔ اس حدیث میں اسی مسخ قلب کا ذکر ہے **عن عبد الله ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما وقعت بنو اسرائيل فى المعاصى فنهتهم علماء هم فلم ينتهوا فجالسوهم واكلوهم وشاربوهم فضرب الله قلوب بعضهم ببعض فلعنهم على لسان داؤد وعيسى ابن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون. الحديث رواه ابو داؤد.** [1] اور یہ سب خرابیاں اسی وقت ہیں جب ان امراء کو مطلوب بنا کر ان کے پاس جاویں اسی کی مذمت احادیث صحیحہ میں آئی ہے۔ **عن ابى هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من ابغض القراء الى الله الذين يزورون الامراء. رواه ابن ماجة .** [2] **وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم العلماء امناء الدين مالم يخالطوا الامراء فاذا خالطوا الامراء فهم لصوص الدين فاحذروهم.** [3]

البتہ اگر امراء طالب ہو کر ان کے پاس حاضر ہوں یا کسی ضرورت سے خود ان کو مدعو کریں تو اس معاہدہ کے بعد کہ ہم آزادی سے جو چاہیں گے کہہ سکیں گے اور یہ

(۱) جب بنو اسرائیل گناہوں میں مبتلاء ہوئے تو ان کے علماء نے انہیں روکا، لیکن جب وہ نہیں رکے تو یہ علماء ان کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیئے۔ اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی ان پر لعنت فرمائی، یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ وہ قاری ہے جو مالداروں کے پاس کثرت سے جاتا ہے۔

(۳) علماء دین کے امانت دار ہیں، جب تک وہ دنیاداروں سے میل جول نہ رکھیں اور جب وہ دنیاداروں سے میل جول رکھیں تو وہ دین کے چور ہیں، پس ان سے بچو۔

کہ ہم کو نذرانہ وغیرہ نہ دیا جائے اگر ان سے مخالطت کریں تو یہ مخالفت دین ہے ورنہ اگر علماء اس طرح بھی ان سے نہ ملیں تو ان کو دین کیونکر پہنچے گا مگر اس طرح کا اختلاط یہ ضروری علی الکفایہ ہے اس کے لئے ایسا ہی شخص زیبا ہے جو قوی القلب غنی النفس ہو۔ ورنہ ضعیف کے لئے اسلم یہی ہے کہ امراء سے بالکل نہ ملے تبلیغ حق کے لئے دوسرے لوگ کافی ہیں یا علماء کے رسائل وکتب بس ہیں۔

امراء سے اجتناب کے وقت کیا نیت ہونی چاہئے؟

مگر اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ امراء سے اجتناب اختیار کرتے کے وقت ان کو حقیر اور اپنے کو مقدس نہ سمجھے بلکہ ان کو مبتلائے بلیات دنیا وجہل سمجھ کر ان پر ترحم کرے ان کیلئے دعا کرے اور اپنے کو ضعف دین کا مریض سمجھ کر اجتناب کو ایسا سمجھے جیسا مریض ضعیف الطبع کو جس میں تأثر کا مادہ غالب ہو دوسرے متعدی مرض کے مریض سے بچاتے ہیں اور ساتھ ہی اس کے اس مبتلائے مرض متعدی پر غصہ بھی نہیں کرتے بلکہ اس پر رحم کھاتے ہیں اور اپنے کو بھی بوجہ ضعف عن المرض اس سے بچاتے ہیں اسی طرح ان دنیادار امراء پر بھی رحم کرنا چاہئے کہ ایسے اسباب جہل وعصیاں میں مبتلاء ہیں کہ اگر ہم اس میں مبتلا ہوئے تو ہم بھی ایسے ہی ہوتے پس اپنی عافیت پر خدائے تعالیٰ کا شکر کرے ناز نہ کرے اور ان کے لئے دعا کرے البتہ اگر کوئی شخص حق سے عناد اور اہل حق سے بغض اور تکبر کرے اس سے بغض کرنا واجب اور عبادت ہے اور بغض فی اللہ بھی ہے۔ یہ ان لوگوں کا بیان تھا جو طلب جاہ کے لئے امراء سے ملتے ہیں۔

دنیاداروں کو دھتکارنا مناسب نہیں ہے

بعضے لوگ بطلب جاہ یا بسبب جاہ ایک دوسری وضع اس کی عکس اختیار کرتے ہیں دنیاداروں کو دھتکار دیتے ہیں اپنے یہاں دخل نہیں دیتے ان کو سخت وست کہتے ہیں بعضے پہرہ بٹھلا دیتے ہیں اگرچہ اس قسم کے لوگ متکبر امراء کے پورا علاج ہیں اور درحقیقت امراء کو ان کے تکبر کی یہ سزا ملا کرتی ہے کہ وہ اوروں کی تحقیر کرتے ہیں لوگ

ان کی تحقیر کرتے ہیں اوران پر ایسے لوگ مسلط ہوتے ہیں لیکن یہ تکوینی علاج ہے تشریعی نہیں ایسے اخلاق رکھنا بالکل شرع کے خلاف ہے ان بداخلاقوں میں بعضے ایسے بھی ہیں کہ ان کا یہی مقصود ہے کہ اس طریق سے امراء میں شہرت ہوتی ہے لوگ بڑا بزرگ سمجھتے ہیں خوب ہیبت بیٹھتی ہے اوران لوگوں کو بہ نسبت متکبر کہنے کے ریا کار کہنا زیادہ زیبا ہے یہ حدیث انہی کی نسبت ہے۔

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم تعوذوا بالله من جب الحزن قالوا یا رسول الله قالوا یارسول الله صلی الله علیه وسلم ماجب الحزن قالو واد فی جهنم یتعوذ منه جهنم کل یوم اربع مائة مرة قیل یارسول الله ! ومن یدخلها قال القراء المراؤن باعمالهم.[1] رواه الترمذی.

ان لوگوں کے اس عمل کے لئے تو جاہ علت غائی ہے اور بعض کے اسی عمل کے لئے جاہ علت غائی نہیں ہوتی بلکہ علت فاعلی ہوتی ہے یعنی جاہ سبب ہوتا ہے مسبب نہیں ہوتا اور وہ وہ لوگ ہیں جو واقع میں اپنے کو مقدس اور دوسروں کو خطاوار گنہگار سمجھتے ہیں اس لئے ان سے نفرت کرتے ہیں ان لوگوں کو بہ نسبت ریاکار کہنے کے متکبر کہنا زیادہ بجا ہے اور یہ تکبر دنیاداروں کے تکبر سے بھی اقبح واشنع ہے کیونکہ ان لوگوں کو بہ نسبت دنیاداروں کے زیادہ علم ہے زیادہ علم کے ساتھ بدعملی عنداللہ زیادہ مبغوض ہے۔ ولنعم ما قیل ۔

فان کنت لاتدری فتلک مصیبة
وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

(۱) تم لوگ جب الحزن سے پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! جب الحزن کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، پھر کہا گیا کہ یا رسول اللہ! اس میں کون داخل ہوگا؟ ایسے علماء / قراء جو اپنے عمل میں ریاکاری کرتے ہیں۔

ان صاحبوں کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ العبرۃ للخواتیم مصرع

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

اور یہ لوگ اس کو استغناء سمجھتے ہیں مگر استغنا اور تکبر میں زمین آسمان کا فرق ہے جو بالکل مبین اور ظاہر ہے۔

شہرت حاصل کرنے کی ایک حرکت

بعضے لوگ اپنی شہرت اور ناموری کے لئے مجادلہ اور ردوقدح کی عادت اختیار کر لیتے ہیں اور شب و روز اسی مشغلہ میں رہتے ہیں پھر اس کا غلبہ یہاں تک ہوتا ہے کہ غیر ضروری امور میں بھی بدون نزاع کے نہیں رہتے پھر اکثروں کی تو غرض اس سے تحصیل جاہ ہوتی ہے جس کی مذمت اس حدیث میں وارد ہے۔

عن کعب بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من طلب العلم لیجاری بہ العلماء او لیماری بہ السفھاء او یصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ النار۔[1] رواہ الترمذی و ابن ماجہ عن ابن عمرؓ۔

بعض اوقات اس کا یہاں تک اثر ہوتا ہے کہ حق واضح ہونے کے بعد بھی اپنے باطل پر اصرار کئے جاتے ہیں بات نیچی نہ ہو جائے میں نے ایک مناظر کا فتوے ایک قطعی رضائی رشتے میں حلت نکاح کا دیکھا ہے کہ ابتداء میں تو ان سے غلطی ہو گئی تھی مگر پھر اپنی بات کی پچ پڑ گئی اور باوجود سارے جہاں کے علماء کے خلاف کرنے کے اور تحریراً وتقریراً تنبہ کرنے کے ہرگز رجوع نہ کیا اور بعض ثقات سے مسموع ہوا کہ ان بزرگ نے اپنے ایک معظم سے یہ کہا کہ اب کیا کروں قلم سے نکل گیا ہے اب تو تائید ہی کرنا ضروری

(۱) جو علم کو اس لئے حاصل کرے کہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے یا اس کے ذریعہ بیوقوفوں سے بحث و مباحثہ کرے یا اس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کریں گے۔

ہے اور بعض خود اس کو مقصود اور دین کا کام سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس کی مذمت اس حدیث میں ہے:

عن ابی امامة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ماضل قوم بعد هدی کانوا علیه الا اوتوا الجدل ثم قرأ رسول الله صلی الله علیه وسلم هذه الآیة ماضربوه لک الا جدلا بل هم قوم خصمون.[1] **رواه احمد والترمذی وابن ماجه.** اس حدیث کا حاشیہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔ **المراد بالجدل ههنا العناد والمراد التعصب لترویج مذهبهم من غیر ان یکون لهم نصرة علی ماهو الحق وذلک محرم.**

اور جس طرح اس عمل کی مذمت آئی ہے اسی طرح اس کے ترک کی فضیلت ومدح آئی ہے:

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من ترک الکذب وهو باطل بنی له فی ربض الجنة ومن ترک المرأ وهو بحق بنی له فی وسط الجنة ومن حسن خلقه بنی له فی اعلاه.[2] **رواه الترمذی.**

مناظرہ کرنا کب ضروری ہے

اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ قرآن مجید میں **جادلهم** امر آیا ہے اور **لاتجادلوا**

(۱) کوئی قوم ہدایت کے بعد اس وقت تک گمراہ نہیں ہوئی جب تک وہ بحث ومباحثہ میں نہ لگ گئی ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال صرف لڑائی کے لئے پیش کی ہے، وہ تو ہیں ہی جھگڑالو''۔

(۲) جو شخص جھوٹ کو چھوڑ دے جبکہ وہ حق پر نہ ہو تو اس کے لئے جنت کے کنارے پر محل تیار کیا جائے گا، اور جو شخص حق پر ہونے کے باوجود لڑائی کو چھوڑ دے تو اس کے لئے جنت کے درمیان میں محل تیار کیا جائے گا، اور جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اس کے لئے جنت کے اعلیٰ درجہ میں محل تیار کیا جائے گا۔

کے بعد استثناء الا بالتی ھی احسن آیا ہے اور خود احادیث میں محاجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نصاریٰ سے جس کی تائید میں سورۂ آل عمران کی شروع کی آئتیں نازل ہوئی ہیں وارد ہے ائمہ دین نے سلفاً وخلفاً اہل بدعت سے محاجہ کیا ہے اور بہت سی تصانیف ان حضرات کی اس باب میں ہیں اور علم کلام اسی غرض سے ایک مستقل اور مدون فن ہوکر باجماع علماء امت علوم دینیہ میں داخل ہوگیا نیز ضرورت بھی اس کی مشاہد ہے کیونکہ اہل باطل ہر زمانہ میں بکثرت موجود رہے ہیں اور اب بھی ہیں اور وہ لوگ اپنے باطل کی ہمیشہ ترویج کرتے ہیں تو اگر ان کا جواب نہ دیا جاوے تو عوام کا تلبیس وتخلیط میں پڑ جانا کچھ بھی بعید وعجیب نہیں اور جواب دینے میں عوام کی بھی حفاظت ہے اور بعض اوقات خود اہل باطل کو بھی ہدایت ہوجاتی ہے اور یہی قیل وقال جواب وسوال مجادلہ ومناظرہ ہے تو ایسے ضروری امر کو مذموم کیسے کہا جاسکتا ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ ہر مجادلہ کا مذموم ہونا اور ہر حالت میں مذموم ہونا ہمارا مدعا نہیں بعض مجادلات وحالات مستثنیٰ بھی ہیں اور دین میں انہیں کا اذن بھی ہے ان کے سوا باقی مذموم ہیں یا ان کا ترک محمود ہے۔ مگر ہمارے زمانہ میں تو زیادہ افراد اسی مجادلہ مذموم یا محمود الترک کے پائے جاتے ہیں جن کی مذمت حدیثوں میں اور نیز آیات میں اور کلام اکابر میں موجود ہے حدیثیں تو بعض اوپر گذر چکی بعض آیات یہ ہیں۔

فلا تمار فیه الامراء ظاهرا ولا تستفت فیهم منهم احد[1] اور **فلاینازعنک فی الامر وادع الی ربک انک لعلی هدی مستقیم وان جادلوک فقل الله اعلم بما تعملون، الله یحکم بینکم یوم القیامة فیما کنتم فیه تختلفون**[2] اور **ومن الناس من یجادل فی الله بغیر علم**

(۱) آپ اس معاملہ میں سوائے سرسری بحث کے زیادہ بحث نہ کیجئے اور آپ ان (اصحاب کہف) کے بارے میں کسی سے کچھ نہ پوچھئے۔ کہف/۲۲)۔

(۲) لوگوں کو چاہئے کہ اس معاملہ میں آپ سے جھگڑا نہ کریں آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہئے، آپ یقیناً صحیح راستہ پر ہیں، اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کرتے رہیں تو آپ یہ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے تھے فیصلہ فرمادے گا۔ حج/ ۶۷۔ ۶۹۔

ولا ھدی ولا کتاب منیر[۱] اور **فمن حاجک فیہ من بعد ماجاء ک من العلم فقل تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم ونسائنا ونسائکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین.**(۲)

اور اقوال اکابر ائمہ کے اس کے ذم میں کتب کلامیہ اور احیاء العلوم وغیرہ میں منقول ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ مسئلہ دو قسم کا ہے ایک وہ جس کی ایک جانب یقیناً حق اور دوسری شق یقیناً باطل ہو سمعاً یا عقلاً یہ مسائل قطعیہ کہلاتے ہیں ایک وہ جس میں جانبین میں حق اور صواب اور خطا وغلط دونوں محتمل ہوں یہ مسائل ظنیہ کہلاتے ہیں۔ مسائل کلامیہ اکثر تمام اول سے ہیں اور بعض قسم ثانی سے اور مسائل فقہیہ اکثر قسم ثانی سے ہیں اور بعض قسم اول سے جیسا کہ متتبع پر مخفی نہیں پس مسائل ظنیہ محتملۃ الخطا والصواب ہیں خواہ وہ از قسم مسائل کلامیہ ہوں یا از قبیل مسائل فقہیہ صرف اثبات ترجیح ظنی کے لئے نہ اہل علم کی باہم مکالمت بلا بغض وعناد و بلا اعتقاد قطع ایک جانب کے و بلا قصد ابطال جازم دوسرے جانب کے در بعزم رجوع وقبول حق کے جب سمجھ میں آ جاوے مگر جائز ہے مگر مصلحت یہ ہے کہ عوام تک اس کی اطلاع نہ ہو اگر زبانی گفتگو ہو تو مجمع خواص میں ہو اور اگر تحریری ہو تو عام فہم زبان میں مثلاً ہندوستان میں اردو میں نہ ہو عربی میں ہو یا کم از کم فارسی میں ہو تا کہ اگر کسی وقت وہ تحریرات شائع کی جاویں تو عوام پر اس اختلاف سے کوئی اثر نہ پہنچے اور سلف سے ان مسائل میں اسی طرح کی گفتگو منقول ہے نہ وہ گفتگو جو آج کل ہوتی ہے کہ ایک قراءۃ فاتحہ خلف الامام کا حق ہونا اس طرح بتلا رہا ہے کہ اس کے

---

(۱) بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بات میں بغیر جانے اور بغیر دلیل اور بدون روشن کتاب کے جھگڑتا ہے۔ حج/۸۔

(۲) جو شخص آپ کے پاس علم آنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حجت کرے تو آپ فرما دیجئے کہ آؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جان کو اور تمہاری جان کو پھر ہم خوب دل سے دعا کریں اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ لعنت بھیجیں ان پر جو ناحق پر ہوں۔ آل عمران/۶۱۔

نزدیک تمام حنفیہ تارک الصلوۃ اور فاسق ہیں۔ اور دوسرا اس کی نفی اس طرح کر رہا ہے کہ گویا اس کے نزدیک قراءۃ خلف الامام میں کوئی حدیث ہی نہیں آئی اور عین مناظرہ میں اگر مقابل کا قول دل کو بھی لگ جائے تب بھی ہرگز قبول نہ کریں جس طرح بن سکے اس کو رد کریں بلکہ مقابل کی گفتگو شروع ہونے کے ساتھ ہی رد کا پختہ ارادہ کر لیتے ہیں اور اول سے اسی کے سوچ میں رہتے اور اسی نیت سے سنتے ہیں کیونکہ تمام تر مقصود اپنا غلبہ اور دوسرے کا اسکات ہوتا ہے۔ پھر باہمی عناد و فساد حتی کے نوبت بعدالت پہنچتی ہے یہ علاوہ بریں کیا یہ دین ہے۔ کیا یہی طریقہ سلف صالحین کا ہے کیا حضرات صحابہؓ سے ان مسائل میں ایسا عملدر آمد ثابت ہے۔ یہ تو مسائل ظنیہ کے متعلق بیان ہوا۔

اب رہ گئے مسائل قطعیہ متعینۃ الصواب جیسے کفر و اسلام کا اختلاف یا سنت و بدعت متفق علیہا عند اہل الحق کا اختلاف اس میں چند حالتیں ہیں ایک یہ کہ صاحب باطل متردد اور طالب اور جویا حق کا ہے اپنے شبہات کو صاف کرنا چاہتا ہے اور اس غرض سے مناظرہ کرتا ہے یہ مناظرہ قادر علی تائید الحق پر واجب اور فرض ہے اور جب جواب سے عجز ہو صاف کہدینا چاہئے کہ اس کا جواب میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں سوچ کر یا پوچھ کر پھر بتلاؤں گا یا اپنے سے زیادہ جاننے والے کا پتہ بتلاوے اور اس طالب کو چاہئے کہ وہاں جا کر رجوع کرے اور قدرت ہوتے ہوئے ایسے مناظرہ سے انکار کرنا معصیت ہے یہ حدیث اس کو بھی شامل ہے۔ من سئل عن علم فکتمہ۔(۱)

دوسری حالت یہ ہے کہ وہ طالب نہیں لیکن متکلم مناظرہ کو توقع و احتمال ہے کہ شاید مخاطب قبول کر لے سو جب تک اس کی امید ہو مناظرہ کرنا تبلیغ احکام میں داخل ہے جہاں تبلیغ واجب ہے وہاں یہ بھی واجب ہے اور جہاں تبلیغ مستحب ہے یہ بھی مستحب ہے جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مناظرات اہل کتاب و خوارج وغیرہم اسی قبیل کے تھے۔

---

(۱) جس سے کسی علم کے متعلق سوال کیا گیا پھر اس نے اس کو چھپایا۔

اور تیسری حالت یہ ہے کہ وہ طالب بھی نہیں اور اس کے قبول کی بھی امید نہیں مگر کسی مفسدہ و مضرت کا اندیشہ بھی نہیں اور کسی ضروری امر میں خلل بھی محتمل نہیں تو اس حالت میں ایسا مناظرہ مستحب ہے۔

اور چوتھی حالت یہ ہے کہ نہ طالب ہے نہ قبول کی امید نہ کسی ضروری امر میں خلل کا احتمال مگر خاص مضرت کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں قوی الہمۃ کے لئے عزیمت و اولی ہے اور ضعیف الہمۃ کے لئے رخصت اور غیر اولی ہے۔

اور پانچویں حالت یہ ہے کہ نہ طالب نہ توقع قول اور ساتھ ہی کسی دینی مضرت کا احتمال ہے یا دینی منفعت مہمہ کا فوت محتمل ہے اس صورت میں اسے اعراض اور ضروری میں اشتغال واجب ہے قرآن مجید میں اعراض و ترک جدال کا امر ایسے ہی مواقع پر ہے سورہ عبس کا شان نزول جو قصہ تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے اس کو تیسری حالت میں داخل سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو پانچویں حالت میں داخل بتلایا اور چونکہ اس میں داخل ہونا خفی تھا اس لئے ترک واجب کا شبہ نہیں کیا جا سکے گا۔

چھٹی حالت یہ ہے کہ مناظرہ کرنے میں تو مخاطب کی نہ کوئی منفعت متوقع اور نہ اس سے کسی خاص مضرت کا احتمال اور مناظرہ نہ کرنے میں عوام اہل حق کے شبہ میں واقع ہو جانے کا خوف ہو اور مسئلہ ایسا ہو کہ عوام اہل حق کو اس کے غلط ہونے کا احتمال بھی نہ ہوتا کہ علمائے اہل حق سے دریافت کر سکیں تو اس صورت میں اس کی تدبیر واجب ہے اس کی دو تدبیریں ہیں ایک یہ کہ خود اہل باطل کو مکالمہ یا مکاتبہ میں مخاطب بنایا جاوے دوسری تدبیر یہ کہ اس سے خطاب نہ کیا جاوے بلکہ عام خطاب سے حق کو ثابت اور باطل کو رد کیا جاوے پس یہ دونوں تدبیریں واجب علی التخییر ہیں ان میں سے جس تدبیر کو اختیار کر لیا جاوے گا واجب ادا ہو جاوے گا۔

ساتویں حالت یہ ہے کہ قیود مذکورہ حالت ششم کے ساتھ وہ مسئلہ بھی ایسا ہو کہ عوام اہل حق کو اس کے غلط ہونے کا شبہ واقع ہو سکتا ہو اس صورت میں خود ان عوام پر

واجب ہے کہ علماء سے تحقیق کریں اور ان کے استفسار کے وقت علماء پر جواب دینا واجب ہوگا ورنہ بدون سوال وہ سبکدوش ہیں اور ان تمامتر صورتوں میں یہ واجب ہے کہ الفاظ اور مضمون متانت اور تہذیب کے خلاف نہ ہو اگر دوسرا بھی درشتی کرے تو صبر افضل ہے یہ تمامتر تفصیل وتقسیم مذکوران امور میں ہے جو شرعاً مقصود ہوں بعض وہ امور ہیں جو شرعاً مہتم بالشان نہیں جیسے خاندان چشتیہ اور خاندان نقشبندیہ کا باہم متفاضل ہونا یا بعض وہ امور ہیں جن میں بحث کرنے یا حکم لگانے سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے جیسے تقدیر کا مسئلہ یا کوئی دوسرا مسئلہ جو اسی کی نظیر ہو یا جیسے باوجود اس کے کہ کسی کا کلام محتمل معنی صحیح کو ہو پھر اس پر کفر کا حکم لگانا ان میں بحث ومباحثہ کرنا منہی عنہ اور مذموم ہے علی اختلاف مراتب النہی والمنہی عنہ اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ نہ ہر مناظرہ محمود ہے نہ مذموم اور اس تقریر سے تمام ان نصوص واقوال وعادات ائمۂ دین میں جو اس باب میں بظاہر متعارض نظر آتے ہیں تطبیق ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ زیادہ مناظرے اس زمانہ میں وہی شائع ہیں جو مذموم ہیں۔

مناظرہ کے شرائط

خلاصہ یہ ہے کہ مناظرہ کا جواز ان شرائط سے مقید ہے۔ وہ مسئلہ دین میں مقصود بھی ہو۔ دل سے یہ عزم ہو کہ حق واضح ہو جاویگا تو فوراً قبول کرلیں گے یہ نیت نہ ہو کہ ہر بات کو رد کریں گے گو سمجھ میں بھی آجاوے۔ مخاطب پر شفقت ہو اگر وہ شفقت کے قابل نہ ہو صبر اور معدلت کے ساتھ مقابلہ کرے۔ اگر قرائن سے عناد مشاہد ہو تو مناظرہ سے معافی کی درخواست کرکے ترک کردے۔ الفاظ اور مضمون نرم ہو۔ جو بات معلوم نہ ہو نہ جاننے کے اقرار سے عار نہ کرے وغیر **ذلک مما ذکر فی التقریر المبسوط المار انفا** ۔ اور جہاں یہ شرائط نہ ہوں گے جیسا آج کل مشاہد ہے وہاں مناظرہ بجائے نافع ہونے کے بالیقین مضر ہوگا۔ جیسا آج کل اس کی مضرتیں محسوس ہورہی ہیں وہ یہ کہ ان فضول لایعنی قصوں کو دیکھ کر عوام الناس علماء سے بدگمان

ہو گئے ہیں کہ میاں ہر شخص دوسرے کی تکذیب کر رہا ہے پھر وہ بزعم خود اذا تعارضا تساقطا پر عمل کر کے سب ہی کو چھوڑ دیتے ہیں یا ایک کی طرف ہو کر دوسرے مقابل کی بے آبروئی اور ایذا رسانی کے درپے ہوتے ہیں اور باہمی عداوت قائم ہو کر جانبین میں غیبت کا دروازہ الگ کھلتا ہے اور ایک دوسرے کی بے آبروئی کی فکر میں الگ لگے رہتے ہیں اور گروہ بندیاں ہو کر مسلمانوں کی قوت اور وقعت میں روزانہ ضعف اور انحطاط ہوتا جاتا ہے کبھی عوام میں باہم مار پٹائی ہو کر نوبت بعدالت پہنچتی ہے اور ہزاروں روپیوں پر پانی پھر جاتا ہے بعض اوقات ان جھگڑوں کی بدولت عدالت میں علماء بلائے جاتے ہیں اور وہاں دینی کتابیں لائی جاتی ہیں جن کا وہاں کوئی ادب نہیں ہوسکتا پھر بعض اوقات وہ مسائل ایسے فیصل کرنے والے کے سامنے پیش ہوتے ہیں جس کو دینیات سے مس بھی نہیں پھر وہ جاہل عالموں کا فیصلہ اوٹ پٹانگ کرتا ہے اور اس مجموعہ کے سبب یہی متنازعین ہوتے ہیں پھر اکثر ایسے مقدمات کا سلسلہ سالہا سال جاری رہتا ہے اور اس مدت میں فریقین ضروری کاموں سے معطل ہو جاتے ہیں اور پھر دوران معاملہ میں جو جو امور منکرہ اختیار کرتے پڑتے ہیں جھوٹ اور فریب اور چالاکی جھوٹے گواہ بنانا جھوٹے حلف اٹھانا اور پھر اس کا اثر علماء پر پڑتا ہے اور پھر اس سب کو دیکھ کر مخالفین اسلام کی نظر میں جو ذلت اور خندیدگی اور شماتت ہوتی ہے وہ مخفی نہیں۔

پھر ایک بہت بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ اگر متخاصمین میں سے ایک منصف مزاج ہوا اور اس نے دوسرے کی تقریر کے کسی جز کو مان لیا یا جواب صحیح سوچتا ہوا رہ گیا یا حق پرستی کے سبب کہہ دیا کہ مجھ کو اس کا جواب معلوم نہیں کسی سے دریافت کرلوں گا یا پھر سوچ کر یا دیکھ کر بتلاؤں گا تو عوام جہلاء کے نزدیک گویا وہ ہار گیا اور زیادہ تماشہ دیکھنے والے عوام ہی ہوتے ہیں اور اس کے ہارنے کے ساتھ اس کا دعوے کیا ہوا مسئلہ بھی غلط ہو گیا۔ ان مفاسد کے ہوتے ہوئے تو مستحب بھی منہی عنہ ہو جاتا ہے چہ جائیکہ جب وہ فی نفسہ بھی بوجہ فقدان شرائط مذموم ہو البتہ اگر کوئی فرد مناظرہ کی بوجہ وجدان شرائط شرعاً مطلوب ہو گو اس میں اس قسم کے مفاسد بھی ہوں تو اس کا ارتکاب کیا جائے گا۔ اور

مفاسد کا حتی الامکان انسداد کریں گے جس کا انسداد خارج از اختیار ہو کچھ پرواہ نہ کریں گے۔

مناظرہ کے شرائط و مفاسد سے چشم پوشی کا نتیجہ

بعض لوگ ان شرائط و مفاسد سے غض بصر کر کے آج کل کے مناظروں کی مصلحتیں بیان کیا کرتے ہیں اس تقریر میں غور کرنے سے ان سب کا جواب بھی نکل آئے گا نمونہ کے طور پر بعض جزئیات کو ذکر بھی کئے دیتا ہوں مثلاً بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مناظرہ نہ کرنے سے عوام الناس کے اعتقاد میں خلل پڑ جاتا ہے، جواب یہ ہے کہ اگر خاص اس مناظرہ کرنے والے سے بداعتقاد ہو جاتے ہیں تو یہ کوئی دینی مضرت نہیں انبیاء میں سے ہر نبی کا ماننا فرض ہے علماء میں سے ہر عالم کا ماننا فرض نہیں ہے اور اگر اس خاص مسئلہ میں ان کا اعتقاد بدل جاتا ہے یا تذبذب میں پڑتے ہیں تو اگر وہ مسئلہ محل اجتہاد ہے تو اعتقاد کا بدل جانا کچھ مضر نہیں اور اگر وہ محل اجتہاد نہیں تو تصحیح ان کے اعتقاد کی مناظرہ ہی میں منحصر نہیں مستقل و ابتدائی تقریر یا تحریر سے سمجھانا ممکن ہے یا خود ان عوام کے ذمہ بھی واجب ہے کہ اپنے تردد، تذبذب کو علماء سے رجوع کر کے رفع کر لیں یہ کیا ضروری ہے یہ بار بھی علماء ہی کے ذمہ ڈالا جائے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مناظرہ سے حق واضح ہو جاتا ہے یہ مصلحت بھی مصلحت بالا کے قریب قریب ہے صرف عنوان ہی کا تفاوت ہے جواب یہ ہے کہ آج کل کا مناظرہ کسی طرح معیار تعیین حق کا نہیں ہو سکتا اگر اس کو معیار قرار دیا جائے کہ جو ساکت اور مغلوب ہو جائے وہ باطل پر ہے اور جو بولنے میں غالب ہے وہ حق پر ہے سو یہ تو بالکل غلط بعض اوقات صاحب حق کو بوجہ جواب کے حاضر نہ ہونے کے یا اس شخص کے حاضر جواب نہ ہونے کے یا بوجہ متکلم بالباطل کی الجھی ہوئی تقریر سے پریشان و منتشر ہو جانے کے یا اس کی بدزبانی سے مشتعل و غضبناک ہو جانے کے یا نظر اور فکر فی الجواب میں مشغول ہونے کے فی الوقت سکوت ہو جاتا ہے تو کیا اس سکوت سے وہ حق مبدل

بباطل ہوگیا، غرض جس طرح مجاہد باللسان میں بقول الحرب سجال کبھی ایک غالب کبھی دوسرا غالب ہوجاتا ہے اسی طرح محاجہ باللسان میں بھی مشاہد ہے سو کبھی تو ان عوارض سے صاحب حق کو سکوت ہوسکتا ہے گو آخر میں خود اس مناظرہ کے واسطے سے یا دوسرے اہل حق کے واسطے سے غلبہ حق ہی کو ہوتا ہے یا اہل باطل کو سکوت ہوجاویگا یا اہل فہم پر اس کا باطل ہونا معلوم ہوجاویگا مگر اس کے لئے ابتدائی خطاب بھی کافی ہے مناظرہ کی حاجت نہیں۔ اور بعض اوقات کسی جانب بھی سکوت نہیں ہوتا یا اس مسئلہ کلام کی مجال وسیع ہے یا بقول ''ملا آں بشد کہ چپ نشود'' ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا ہی رہتا ہے اور ہر شخص دوسرے کا جواب پھر وہ دوسرا اس کا جواب الجواب پھر وہ پہلا اس جواب الجواب کا رد پھر وہ دوسرا اس کا رد کا رد وھلم جرا دونوں اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں چنانچہ مسائل اختلافیہ میں دور دو اعصار گذر گئے اور بارشتر کتابیں ہوگئیں مگر آج تک کسی فریق کو سکوت نہیں ہوا ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا ہی رہتا ہے۔

اور اگر اس طرح معیار قرار دیا جائے کہ گو سکوت کسی کو نہ ہو یا فی الوقت صاحب حق کو سکوت ہوجاوے مگر طالبین حق کے جو متردد ہیں دونوں کی بات سن کر تصفیہ وفیصلہ کرلیں گے اور حق وباطل میں تمیز کرلیں گے۔ سو اول تو عوام الناس کا فیصلہ کہاں تک قابل اعتبار ہے جب فہم نہ ہو۔ ممکن ہے کہ باطل والے کی تقریر کو وہ سمجھ لیں اور اہل حق کی نہ سمجھیں دوسرے اگر وہ عامی فہیم ہے تو اس کے لئے مناظرہ ہی کیا ضرورت ہے مستقل تقریر کو سننا سنانا بھی اس غرض کے لئے کافی ہوسکتا ہے جیسا ابھی اوپر بیان ہوا۔

پہلے علماء کے مناظرہ پر اپنے مناظرہ کو قیاس کرنا درست نہیں ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ علماء کلام نے ہمیشہ مناظرہ کیا ہے سو اول تو بعض اکابر نے بعض وجوہ کلام پر خود انکار بھی کیا ہے جیسا اوپر احیاء العلوم وغیرہ کا حوالہ دیا گیا ہے پھر جو طرق مقبول ہوئے ہیں وہ ایسے نہیں جیسا آج کل کا طرز ہوگیا ہے۔ کتابیں دیکھ لیجئے کیسی تہذیب ومتانت سے مخالف پر رد کیا ہے اور ضروری پر اکتفا کیا ہے نہ ضلع ہے نہ

جگت ہے نہ جھگڑا ہے نہ ہر ہر لفظ کا رد ہے نہ لایعنی الفاظ یا مضامین ہیں نہ لفظی مواخذات ہیں نہ عنادی مناقشات ہیں مخالف کے وجوہ محتملہ کا خود ابداء کرتے ہیں جو قابل قبول سامان لیتے ہیں جو قابل رد ہوا طریقہ حسنہ سے رد کرتے ہیں سو کہاں یہ مناظرہ اور کہاں آج کل مشاجرہ ان دونوں کے فرق کے لئے بیساختہ یہ مصرع یاد آتا ہے۔ ؎

انچہ مردم میکند بوزینہ ہم

یہ بحث ضروری تھی مجادلین کے باب میں جن کی غرض طلب جاہ یا بزعم خود خدمت دین ہے جس پر اس آیۃ کا پڑھنا بالکل صحیح ہے **افمن زین لہ سوء عملہ فراٰہ حسنا.** (۱)

وعظ کو طلب جاہ کا ذریعہ بنانے کی خرابی

بعضے لوگ وعظ کو طلب جاہ کا آلہ بناتے ہیں جیسا بعضے اس کو طلب مال کا آلہ بناتے ہیں جن کا ذکر اس فصل کے شروع میں ہو چکا ہے حدیث میں اسکی مذمت بھی آئی ہے **عن عوف بن مالک الاشجعیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایقص الا امیر او ماموراً و مختال.** (۲) **رواہ ابو داؤد ورواہ الدارمی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وفی روایۃ او مراء بدل او مختال. وعن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تعلم صرف الکلام لیسبی بہ قلوب الرجال او الناس لم یقبل اللہ یوم القیمۃ صرفا ولا عدلا.** (۳) **رواہ ابو داؤد.** اور ایسا شخص اس قاصد مال

(۱) کیا ایسا شخص جس کو اس کا برا عمل اچھا کر کے دکھلایا گیا، پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا۔ فاطر/۸۔

(۲) امیر، مامور اور متکبر کے سوا کوئی بیان نہیں کرتا، ایک روایت میں متکبر کی جگہ ریاکار آیا ہے۔

(۳) جو شخص باتیں بنانا سیکھے تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کا نہ نفل عمل قبول کریں گے اور نہ فرض۔

سے بھی بدتر ہے کیونکہ طالب مال طبعًا اپنے کو ذلیل وحقیر سمجھتا ہے اور یہ شخص اپنے کو بڑا اور مال نہ لینے کے سبب اپنے کو مقدس سمجھتا ہے اور ایسے شخص کے وعظ میں مسلمانوں کی تحقیر اور ایذا اور طعن بلکہ سب وشتم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جاتا بلکہ بڑا حصہ اس کے وعظ کا یہی ہوتا ہے علماء ورثہ ہیں انبیاء علیہم السلام کے ان کو ویسی ہی شفقت امت پر ضروری ہے اور ایک مشترک خرابی طالب مال وجاہ واعظین میں یہ ہے کہ بدون کافی علم کے وعظ کہنے لگتے ہیں اور مسئلہ پوچھنے پر بھی نہیں کہتے کہ ہم نہیں جانتے خود اس پر بھی وعیدیں مثل ضلوا واضلوا کی وارد ہیں اور حدیث مذکور لایقص الخ سے محققین وتحقین واعظین پر شبہ نہ کیا جاوے کہ یہ نہ امیر ہیں نہ مامور من الامیر پس یہ بھی مختال ہوں گے جواب یہ ہے کہ عام اہل ایمان کی رغبت والتجاء بجائے امر من الامیر کے ہے کیونکہ امیر کی امارت بھی اسی اتفاق پر مبنی ہے۔

حاصل فصل کا یہ ہے کہ علم دین پڑھ کر اس کو آلہ دنیا کے مال کا یا جاہ کا بنانا علماء سوء میں داخل ہونا اور امت کے لئے مضر بننا ہے مال اور جاہ بقدر ضرورت دوسرے ذرائع سے حاصل ہو سکتے ہیں بلکہ بلا اکتساب ہی اللہ تعالیٰ مخلصین متقین کو عطا فرماتے ہیں جیسا وعدہ ہے قال اللہ تعالیٰ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لایحتسب [۱] وقال اللہ تعالیٰ ھم الذین یقولون لاتنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا وللہ خزائن السموات والارض۔ [۲]

---

(۱) جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ طلاق/۶۲ ۳)۔

(۲) یہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جاویں گے۔ حالانکہ اللہ ہی کے ہیں آسمانوں اور زمین کے سب خزانے۔ منافقون/ ۷)

تیسری فصل

مدارس کی بعض اصلاحات میں

مدارس میں بھی بعض اصلاحات کی ضرورت ہے

اس میں تو ذرا شبہ نہیں کہ اس وقت مدارس علوم دینیہ کا وجود مسلمانوں کے لئے ایک ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں دنیا میں اگر اس وقت اسلام کے بقاء کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں ان کو بیکار بتلانے والا معلوم ہوتا ہے ابھی تک اسلامی ضرورت سے اور مدارس کے اثر سے محض بیخبر ہے مختصر بیان اس کا یہ ہے کہ اسلام نام ہے خاص عقائد اور خاص اعمال کا جس میں دیانات ومعاملات ومعاشرات واخلاق سب داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ عمل موقوف ہے علم دین پر اور علوم دینیہ کا بقاء ہر چند کہ فی نفسہ موقوف نہیں ہے مدارس پر مگر باعتبار عوارض وقتیہ عادۃً ضرور موقوف ہے مدارس پر جس شخص کو تجربہ ہوگا وہ اس حکم میں ذرا توقف نہیں کرسکتا اور جس کو توقف ہو وہ تجربہ کرسکتا ہے اس لئے اس میں تطویل کلام کی حاجت نہیں سمجھی گئی۔

غرض بالیقین یہ مدارس خدا تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت اور بہت بڑی نعمت ہیں۔لیکن اس کے ساتھ ہی ہم جیسے بعض عمال وخدام کی سوء تدبیر سے ان مدارس میں متعدد امور ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کی اصلاح بہت ضروری ہے اور اصلاح نہ ہونے سے اہل علم کی جماعت معترضین کا ہدف ملامت بھی بنتی ہے اور خود روح مدارس کی کہ ان کی اقامت کی غایت ہے یعنی عمل بالدین وہ بھی ضعیف ہوجاتی ہے اور نیز ان امور کو دیکھ کر دوسروں پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ لوگ علوم دینیہ سے متوحش اور نفور ہوجاتے ہیں اور سبب اس کا جماعت اہل علم کی ہوتی ہے تو گویا درجہ تسبب میں یصدون عن سبیل اللہ کے مصداق میں داخل ہوتے ہیں اس لئے ان امور کی اصلاح کے متعلق مختصراً عرض کرکے اہل علم کو ان کی اصلاح کی طرف متوجہ کرتا ہوں اور اگر میری کوئی رائے خلاف

تحقیق ہوتو اس کے عرض کرنے سے معافی چاہتا ہوں۔اس وقت جوامور ذہن میں ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) زبردستی چندہ لینا درست نہیں

بعض جگہ چندہ فراہم کرنے میں قواعد شریعت ومروت کے خلاف کیا جاتا ہے جس کا بیان بقدر ضرورت باب ہذا کی دوسری فصل میں ہوا ہے اسی کے فروع میں سے ایک وہ رسم ہے جو بعض برادریوں میں التزام کے طور پر مقرر ہے کہ جب ان میں شادی ہوتو مدرسہ کے لئے کوئی خاص رقم ضرور نکالی جائے واقعات کی تفتیش سے ثابت ہوا ہے کہ اس میں اکثر ثقل اور جبر ہوتا ہے اگر کسی نے مانگ لیا تب تو ظاہر ہی ہے اور اگر نہ بھی مانگا تب بھی احتمال غالب ہے کہ یہی سمجھ کر دیتے ہیں کہ نہ دینے سے تمام برادری کے خلاف ہوگا بات ہلکی ہوگی اس لئے گودل نچا ہے مگر ضرور دیتے ہیں میں نے اس کا اچھی طرح تصریح کرا کر تجربہ کیا ہے لوگوں نے صریح اقرار کرابتہ کا کیا برادری میں جن لوگوں کو فرد خرچ کا لکھنا سپرد ہوتا ہے وہ اس کا لحاظ رکھیں کہ مدرسہ کا اور اسی طرح مسجد کا مد اس میں ہرگز نہ رکھیں ہر چند کہ تمام مدات اس فرد کے یہی حکم رکھتے ہیں اور لڑکے والے سے ان رقوم کا وصول کرنا ہرگز جائز نہیں مگر مسجد ومدرسہ میں ایسی رقم کا لگانا اور بھی برا ہے کہ حدیث ہے۔ **ان اللہ طیب لایقبل الا الطیب** [1] پس دین کے کام میں ایسی رقم لگانا جو بطریق غیر مشروع وصول کی گئی ہواور بھی زیادہ مذموم ہے۔

اسی طرح بعض دیہات میں ہل پیچھے کچھ غلہ مقرر ہو جاتا ہے اس میں علاوہ بے احتیاطی مذکور کے بعض جگہ یہاں تک بے احتیاطی ہوتی ہے کہ اگر اس ہل کا کھیت کسی یتیم کا ہواس سے بھی وہ حصہ لے لیتے ہیں جو کسی طرح جائز نہیں اسی کے فروع میں سے ایک یہ ہے کہ دوامی چندہ میں بعد موت وعدہ کرنے والے کے اس کے ورثا اس چندہ کو جاری رکھتے ہیں اور اہل مدارس اس کی تحقیق نہیں کرتے کہ ان لوگوں نے ملک مختص سے

---

(۱) بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ مال کو قبول کرتا ہے۔

اس کو جاری رکھا ہے یا ترکہ مشترکہ سے اور اس ترکۂ مشترکہ میں کوئی یتیم یا غائب یا غیر راضی تو نہیں ہے اسی طرح میت کے کپڑوں کو مدرسہ میں دینے کے وقت اس میت کے ورثا اور ان کے بلوغ اور رضا کی تحقیق نہیں کی جاتی۔

(۲) دوامی چندہ نہ دینے والوں کے نام شائع کرنا بری بات ہے

چندہ دوامی میں جو آخر سال میں بقایا واجب رہ جاتا ہے میرے نزدیک اس بقایا کا طبع کرنا امر منکر معلوم ہوتا ہے اس میں اظہار ہے صاحب چندہ کی نادہندی وخلف وعدہ کا میں نے مدرسۂ کانپور میں اس کی اس طرح اصلاح کی ہے کہ روئداد میں صرف وصول شدہ چندہ لکھا جاتا تھا اور بقایا کو مدرسہ کے خاص رجسٹر میں محفوظ رکھا جاتا تھا جس کی یاددہانی بذریعہ خط کے خاص طور پر کردی جاتی تھی۔ اور میرے نزدیک یاددہانی میں ضرور ہے کہ لزوم وتاکد کے الفاظ نہ ہوں بلکہ تصریح کردیجائے کہ آپ کو اطلاع کی جاتی ہے اگر رغبت ہو بھیج دیجئے ورنہ آپ آزاد ہیں۔ اور یہ کبھی خیال نہ کیا جاوے کہ اس طرح پھر کون دیتا ہے یہ سب خیال غلط ہے جتنا آنا ہوتا ہے آتا ہے اس کا کامل تجربہ ہو چکا ہے ہرگز وسوسہ نہ کیا جاوے۔

(۳) صحیح حیلہ تملیک

بعضی رقوم جو واجب التملیک مدرسہ میں آتی ہیں اور ضرورت ہوتی مدرسہ کے مدات غیر واجب التملیک میں تو اس میں ایک حیلہ تملیک کا کیا جاتا ہے جو سب کو معلوم ہے لیکن چونکہ جانبین کو معلوم ہے کہ اس میں تملیک حقیقۃً ہرگز مقصود نہیں جس کا ایک امتحان بھی ہے کہ اگر وہ مسکین بعد قبضہ کے پھر داخل مدرسہ نہ کرے تو اس وقت دیکھئے کس قدر بے لطفی وبدمزگی ہوتی ہے بلکہ عجب نہیں کہ اس سے چھین لیا جاوے یا تمام عمر کے لئے اس کی صورت سے بیزار ہو جاویں تو اگر وہ تملیک حقیقی تھی تو پھر اس جبر کے کیا معنے۔ اور اگر تملیک نہیں تو تو واجب یعنی زکوٰۃ وغیرہ ادا نہیں ہوا تو معطی نے مہتمم کو امین سمجھ کر وہ رقم اس کے سپرد کی اور اس نے اس طرح اس کو ضائع کیا۔ اگر مدات غیر

واجب التملیک ہی میں صرف کرنا ہو تو اس کی ایک اور صورت اس سے بہتر ہے گو وہ بھی خلوص کے خلاف ہے مگر قواعد کے خلاف نہیں۔ وہ یہ کہ کسی مسکین کو مشورہ دیا جاوے کہ وہ مثلاً بیس پچیس روپے کسی سے قرض لیکر مدرسہ کے اس مد ضروری الوقت میں تبرعاً دیدے اور پھر مہتمم وہ رقم واجب التملیک اس مسکین کو بتملیک حقیقی بغرض اعانت ادائے قرض کے دیدے پھر قرض خواہ اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے اور اگر نہ دے تو اس سے چھین لینا جائز ہے۔

(۴) چندہ کی رقم میں عدم احتیاط

بعض لوگ رقوم چندہ میں اس طرح بیجا اخراجات اور خلاف اذن تصرفات کرتے ہیں جیسے گویا ان کی ملک ہے۔ اس میں بہت احتیاط کرنا چاہئے تفصیل اس کی خود واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔

(۵) کھانے کے لئے طلبہ کو کسی کے گھر بھیجنا مناسب نہیں ہے

اکثر جگہ جہاں طلبہ کو لوگ ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں طلبہ کے لئے معیوب ہے کہ کسی کے گھر پر کھانا لینے جاویں کہ اس میں سخت تحقیر و اہانت ہے علم اور اہل علم کی۔ نیز اس میں ایک اخلاقی خرابی ہے وہ یہ کہ دوسرے سے مانگنے میں انقباض طبعی یعنی جھجک نہیں رہتی دل کھل جاتا ہے اور یہی انقباض طبعی حیاء کی ایک بڑی فرد ہے جو مانع ہے انسان کو سوال ذلت سے جب یہ نہ رہی تو اب اس کا سوال سے رکنا عقلاً ہوگا طبعاً نہ ہوگا۔ اور غرض ایک ایسی چیز ہے جو مانع عقلی کو بہت جلد رفع کر دیتی ہے ایسے وقت مانع طبعی ہی کی ضرورت ہوتی ہے جب وہ نہ رہی تو اس شخص کو جب موقع ہوگا بے تکلف لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا دیگا تو گویا عمر بھر کے لئے اس کا ایک کمال فطری برابر ہو گیا۔ پھر جب اس شخص کی قدر و منزلت کسی کے دل میں نہ رہی تو اس کا وعظ و ارشاد کیا نافع و موثر ہوگا اس لئے میری رائے (جس پر میں پہلے مدرسۂ جامع العلوم کانپور میں اور اب مدرسہ تھانہ بھون میں کاربند بھی رہا اور رہوں) یہ ہے کہ اس طریقہ کو بند کر دیا جاوے جو شخص

طالب علم کو کھانا دینا چاہے وہ مدرسہ میں بھیج دے اسی طرح دعوت میں بھی طلبہ کو نہ بھیجا جاوے جس شخص کو کھلانا ہو مدرسہ میں لاکر کھلا دے۔ اس سے ان کی عزت بھی محفوظ رہے گی اور خود ان میں ایک شان استغناء واولو العزمی وحیاء کی پیدا ہوگی جس کا اثر لوگوں پر بہت اچھا ہوگا۔

اور ہر چند کہ پہلے بزرگوں نے طلبہ کے لئے اس کو گوارا رکھا ہے لیکن اس وقت کہ عوام دنیادار اور اہل علم کو ذلیل نہ سمجھتے تھے پس اس میں یہ مفسدہ نہ تھا بلکہ وہ لوگ ان حضرات طلبہ کے آنے کو اپنے گھر کے لئے موجب برکت سمجھتے تھے اور خود طلباء کے کبر کا معالجہ بھی اس میں تھا اس میں کچھ مضائقہ نہ تھا اور اب عوام کے حالات وخیالات اکثر بدل گئے اس لئے مفسدہ حادث ہوگیا اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس امر میں مفسدہ ومصلحت دونوں ہوں وہ واجب الترک ہوتا ہے۔ رہا علاج کبر کا تو وہ دوسرے طریقوں سے ہوسکتا ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسا مقام ہو جہاں یہ مفسدہ تحقیر کا نہ ہو وہ اس منع سے مستثنیٰ ہے۔ اور اسی کی ایک فرع ہے طلبہ کو فراہمی چندہ کے لئے سفر کرانا اس کے بھی وہی آثار ہیں جو کھانا لینے کے لئے گھروں پر جانے کے ہیں والاستثناء الاستثناء۔

(۶) طلبہ کے اعمال اور وضع قطع پر روک ٹوک ضروری ہے

بعض مدارس میں طلبہ کے اعمال واوضاع پر اصلا روک ٹوک نہیں ہے اس سے جو برا اثر عوام پر اور خود ان طلبہ پر واقع ہوتا ہے محتاج بیان نہیں۔

(۷) کمال علمی کے بغیر سند فراغ دینا نقصان دہ ہے

بعض مدارس میں ایسے لوگوں کو سند فراغ دیدیجاتی ہے یا دستار بندی کردیجاتی ہے جو باعتبار کمال علمی یا صلاح عملی کے اس کے اہل نہیں ہوتے جب ان لوگوں کی علمی یا عملی کوتاہی دوسروں پر ظاہر ہوتی ہے تو دوسرے علماء کو ان پر قیاس کرکے سب سے بدظنی پیدا ہوجاتی ہے اور جب علماء سے بدظنی ہوگئی تو دین کے باب میں کس سے رجوع کریں گے کس کے قول پر عمل کریں گے پھر دین کا کیا حشر ہوگا تو سبب ان

مفاسد کے یہ بے احتیاط لوگ ہوئے جو نااہلوں کو قوم کے سامنے مقتدا ظاہر کرتے ہیں۔

(۸) مدارس میں تقریر و تحریر کا انتظام کرنا چاہئے

اکثر مدارس میں طلبہ کی تقریر و تحریر کا کوئی انتظام نہیں۔ اس میں اہل علم کو عاجز ہونا ان کی منصبی خدمات کا ضعیف ہونا ہے اس لئے اس کا خاص انتظام واہتمام ضروری ہے۔

(۹) طلبہ کی رائے کے مطابق تعلیم مناسب نہیں ہے

اکثر مدارس میں طلبہ کی رائے پر تعلیم ہوتی ہے جس سے ان کی استعداد سرتاسر برباد ہو جاتی ہے اسی حالت میں برائے نام تکمیل ہو جاتی ہے اور کسی کام کے لائق ہوتے نہیں پس اس سے بھی وہی مفاسد مذکورہ نمبرے حادث ہوتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان کو پابند قواعد کا بنایا جائے خواہ طالب علموں کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو جائے کام کے دو چار نا کارہ سو دو سو سے بھی افضل ہیں۔

(۱۰) مدارس میں تجوید اور اخلاق کی کتاب داخل درس ہونا ضروری ہے

اکثر مدارس میں تجوید کا علم و عمل داخل نصاب نہیں اسی طرح اخلاق کی کوئی کتاب درس میں نہیں۔ اول کی کمی کا یہ نتیجہ ہے کہ اکثر طلباء بلکہ علماء بھی افسوس ہے کہ قرآن مجید اچھا نہیں پڑھتے۔ جس پر عوام بھی ہنستے ہیں کتنا بڑا ظلم ہے کہ عالم امام ہو اور نماز بروئے فقہ درست نہ ہو دوسری کی کمی کی مضرتیں اس قدر کثیر ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا جن کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء کی اس فن سے بیخبری کی بدولت جھوٹے مکار پیر بن گئے اور وہ خلقت کی دنیا و دین کو ذبح کر رہے ہیں، طلبہ پر لازم کیا جاوے کہ تجوید علماً و عملاً حاصل کریں اور کتب اخلاق کو درس میں داخل کریں اور بعد فراغ التزاماً طلبہ محققین اہل اللہ کی خدمت میں حسب گنجائش قیام کریں اور ان سے آداب و اخلاق سیکھیں اور ان کی

صحبت سے برکت حاصل کریں اور چندے ان کی خدمت میں آمدورفت رکھیں جس سے کہ نسبت باطنہ ایک گونہ راسخ ہو جائے پھر خلق اللہ کے ارشاد کو اپنے ہاتھ میں لیں انشاء اللہ تعالیٰ عموماً عوام اہل اسلام ان سے وابستہ ہو کر جھوٹوں کو چھوڑ دیں گے اور مضمون قل جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید[1] آنکھوں سے نظر آ جاویگا۔

(۱۱) مدارس کا باہم تصادم بہت نقصان دہ ہے

بعض مدارس میں یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ سب مدارس اسلامیہ کی غرض متحد ہے یعنی خدمت علوم دینیہ مگر پھر بھی ان میں سے بعض میں باہم تزاحم وتصادم ہوتا ہے کہیں علانیہ کہ ہر مدرسہ کی طرف سے دوسرے مدرسہ کیخلاف تحریراً وتقریراً سعی ہوتی ہے اشتہارات میں دوسرے کو گھٹایا جاتا ہے اہل چندہ کو دوسری جگہ کی اعانت سے منع کیا جاتا ہے اور کہیں خفیہ طور پر کہ عوام کو تو اطلاع نہ ہو مگر کارکن لوگ اور دوسرے اہل فہم بھی سمجھ جاتے ہیں پھر شدہ شدہ عوام پر بھی اس کا ظہور ہو جاتا ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عوام یہ گمان کرتے ہیں کہ بس یہ مدارس اسی غرض سے قائم کئے گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے مال وجاہ حاصل کریں ورنہ اگر محض دین مقصود ہوتا تو دوسرے کو دینی خدمت کرتے ہوئے دیکھ کر خوش ہونا چاہئے تھا کہ اپنے اوپر سے بار ہلکا ہوتا ہے برخلاف اس کے جب دنیا مقصود ہوگی تو دوسرے کا وجود اس میں مخل ہوگا اور اس لئے تنافس وتحاسد اس کے لئے لازم ہے۔

پھر یہ تزاحم یہاں تک ترقی کرتا ہے کہ اہل چندہ سے متجاوز ہو کر طالب علموں تک کو ہر مدرسہ اپنی اپنی طرف کھینچتا ہے حتی کہ اس کشاکشی میں بعض اوقات طالب علموں کی اطاعت کی جاتی ہے اس تزاحم کا یہ بھی اثر ہوتا ہے کہ دوسرے مدرسہ میں چندہ کا زیادہ آنا اس طرف اہل اعانت کا زیادہ راغب ہونا وہاں کا جاہ وقبول وہاں کام زیادہ ہونا یہ سب ناگوار ہوتا ہے اور اس امر کے اظہار کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے مدرسہ

---

(۱) آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا۔ (سبا/۴۹)

میں وہ سب خوبیاں ظاہر اور ثابت کریں گو واقع میں نہ ہوں اور گو ثابت بھی نہ ہو سکے۔ سو یہ سب دلیل ہے عدم خلوص اور عدم للّٰہیت کی۔ ان سب مفاسد کی اصلاح ضروری ہے چنانچہ کانپور میں کئی سال رہ کر مجھ کو اس کا خوب تجربہ ہوا۔

مسلمانوں کو تنبیہ

بعض مدارس میں جتنے مفاسد اوپر لکھے گئے ہیں ان سے ان مدارس کو بیکار نہ سمجھا جاوے اس حالت میں بھی ان سے جو کچھ نفع دین ہے اس کے اعتبار سے ان کا وجود نہایت غنیمت وضروری ہے۔ اس حال میں سب مسلمانوں پر ان کی خدمت واجب ہے البتہ اصلاح میں حتی الوسع سعی بھی کریں۔

(۱۲) بعض مدرسین کی کوتاہی

ایک عادت بعض مدرسین کی یہ ہے کہ کوئی مقام کتاب کا شرح صدر کے ساتھ حل نہ ہو مگر ہرگز طالب علم کے سامنے اس کو ظاہر نہ کریں گے الٹی سیدھی توجیہ گھڑ کر کچھ نہ کچھ ہانکتے رہیں گے اسی طرح اگر بعض اوقات غلط تقریر ہو جاتی ہے اور اتفاق سے کسی طالب علم کا ذہن صحیح مدلول تک پہنچ جاتا ہے تو اس کی تقریر کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔ اپنی ہی سخن پروری کرتے رہیں گے یا کسی مقام پر مصنف سے کچھ تسامح ہو جاوے تب بھی اس کو خواہ مخواہ بناتے رہیں گے اس میں علاوہ گناہ کے ایک خرابی یہ ہے کہ طالب علم کے اندر قبول حق اور انصاف کا مادہ کبھی پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی مثل اپنے استاد کے مصر علی الباطل وسخن پرور ہوتا ہے اور اس سخن پروری کے اثر سے شدہ شدہ فہم میں بھی کجی پیدا ہو جاتی ہے اور سبب اس کا محض کبر ہے کہ آدمی یوں سمجھتا ہے کہ میری سبکی ہوگی حالانکہ اول تو یہی غلط ہے قبول حق سے ہمیشہ مدح کی جاتی ہے اور آبرو بڑھتی ہے پھر اگر ایسا بھی ہوا تو اصرار علی الباطل کے مفاسد دنیویہ واخرویہ کے مقابلہ میں تھوڑی سی سبکی بہت سہل ہے اور بھی بعض ضروری اصلاحات ہیں جن کو میرے مشفق مولوی عبداللہ صاحب گنگوہی نے اپنی ایک تحریر مسمی بہ ناصح الطلبہ میں بیان کیا ہے جو کہ اس رسالہ کے اخیر

میں ملحق ہے اس کو بھی ضرور ملاحظہ فرمالیا جاوے۔

چوتھی فصل

واعظین و مصنفین اور مفتیوں کی اصلاحات

واعظین و مصنفین و مفتیین کی اصلاحات میں چونکہ مثل درس کے جس کا ذکر اوپر ہوا وعظ و تصنیف و افتاء بھی منجملہ وظائف اہل علم کے ہے اس لئے اس کے متعلق اصلاحات بھی علی الترتیب قابل ذکر ہیں۔

اہل علم کا وعظ نہ کہنا غلط ہے

اصلاحات متعلق وعظ۔ ایک کوتاہی تو وعظ نہ کہنے کی ہے کہ اکثر اہل علم کو دیکھا ہے کہ وعظ کے صرف تارک ہی نہیں بلکہ اس سے نفور اور اس کی تحقیر کرنے والے ہیں اور اس سے عار کرتے ہیں اور وعظ کہنے کو خلاف شان علم سمجھتے ہیں اور یہ خطاء عظیم ہے اصل طریقہ تعلیم دین کا جس کے واسطے حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے یہی وعظ وارشاد ہے جس کے ذریعے سے تبلیغ دین فرماتے تھے باقی درس وتالیف وغیرہ تو اس کے تابع ہے کیونکہ سلف میں بوجہ اہتمام حفظ وتدوین صرف زبانی روایت وخطبات عامہ پر قناعت اور وثوق کیا جاتا تھا بعد میں حفظ علوم کے لئے درس وتالیف کی ضرورت ہوئی پھر اس حفظ سے ظاہر ہے کہ مقصود وہی تبلیغ وخطاب زبانی ہے جس کی قسم عام کو وعظ کہا جاتا ہے پس مقصود بالذات اس تمامتر اشتغال بالدرس والتالیف سے وعظ ہی ٹھہرا پس مقصود بالذات کی اماتت کتنی بڑی خطا ہے۔

بعض واعظین کی کوتاہیاں

بقیہ جو کوتاہیاں وعظ کہنے کے متعلق ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) وعظ کہکر نذرانہ لینا یا پہلے سے ٹھہرالینا جس کا ایک اثر یہ ہے کہ اس وعظ کا

کسی پر اثر نہیں ہوتا۔ دوسرا اثر یہ ہے کہ واعظ اظہار حق سے بخوف فوت مال رکتا ہے۔ اور تنخواہ لیکر وعظ کہنا اس سے مستثنے ہے اسی باب کی دوسری فصل میں اس کا کچھ مبسوط بیان ہوا ہے۔

(۲) وعظ میں غیر ضروری یا مضر عوام مضامین مثل دقائق تصوف ومسائل عربیہ بیان کرنا۔

(۳) مغلق تقریر وعظ میں کرنا۔

(۴) کسی خاص شخص پر وعظ میں تعریض کرنا جس سے فتنہ کا باب مفتوح ہوتا ہے۔

(۵) وعظ میں کسی کی فرمائش کے تابع بن جانا ونحو ذلک۔

تصنیف میں کوتاہیاں

اصلاحات متعلقہ تصنیف

اس میں بھی چند کوتاہیاں ہوتی ہیں:

(۱) غیر مفید فنون میں تصنیف کرنا (۲) رد وقدح ومجادلہ کو اپنی تصنیف کا معظم مقصود بنالینا (۳) ایسے مباحث لکھنا جن کی ضرورت عوام کو نہ ہو یا ان کو مشوش کرنے والے ہوں مثل نازک مسائل تصوف یا کلام کے اور اگر خواص کو نفع پہنچانے کی ایسی ہی ضرورت ہو تو خاص زبان میں مثلاً عربی میں لکھے کہ عوام الناس کی نظر تک نہ پہونچے (۴) تصنیف کر کے حق تصنیف بیع کرنا (۵) محض تجارت کے لئے عوام کے مذاق پسند تصنیف کر کے اس سے روپیہ حاصل کرنا۔

فتوی دینے میں کوتاہیاں

اصلاحات متعلقہ افتاء۔ اس میں یہ کوتاہیاں ہیں:

(۱) استفتاء لیکر رکھ لینا اور مہینوں جواب نہ دینا (۲) محض تحصیل زر کے لئے

افتاء کواڑ بنا کر اس پر فیس وغیرہ مقرر کرنا البتہ اگر بیچ اس کی تکمیل وانتظام میں کچھ خرچ ہوتا ہو تو بقدر اس کے پورا کرنے کے کوئی مناسب مقدار اہل استطاعت پر بطور فیس کے لگا دینے کا مضائقہ نہیں۔ (۴) ہر سوال کے جواب کی کوشش کرنا اگر نہ بھی معلوم ہو تو یہ نہ کہنا کہ میں نہیں جانتا بلکہ کھینچ تان کر کچھ لکھ دینا اسی طرح معلوم ہوتے پر بھی ہر سائل کو سوال کا جواب دیدینا اس کا اثر بھی عوام میں بہت مذموم ہوتا ہے پھر سائلین علماء کو اپنا تابع بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو سوال فی نفسہ غیر ضروری ہو یا اس سائل کے اعتبار سے غیر ضروری ہو صاف کہہ دیا جاوے کہ یہ سوال غیر ضروری ہے۔ یا سائل دلیل دریافت کرے اور لیاقت دلیل سمجھنے کی نہ رکھتا ہو مجیب کو صاف جواب دیدینا چاہئے اس کے سمجھانے کی کوشش نہ کرے جب دلیل انی کے ذکر کرنے میں اس قدر تنگی کا مشورہ دیتا ہوں تو علت یعنی دلیل لمی دریافت کرنے کی تو کبھی عوام کو گنجائش ہی نہ دے کہ اس کا علم تو خود علماء کو بھی پورا پورا نہیں الا ماشاء اللہ مثلاً نماز پانچ وقت فرض ہونے کی دلیل انی تو ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور دلیل لمی اس کی وہ حکمتیں ہیں جن کی بناء پر نماز فرض کی گئی جس کو آج کل کی عام اصطلاح میں فلاسفی کہتے ہیں اور جب مطلق دلیل بتلانے میں بھی سائل کی فرمائش کا پورا کرنا نامناسب ہے تو دلیل میں تخصیص کا اتباع تو اور بھی زیادہ نامناسب ہوگا مثلاً بعضے فرمائش کیا کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس کا ثبوت لاؤ۔ اب مجیب صاحب ہیں کہ قرآن میں تلاش کرنے کے لئے پریشان ہیں دوسروں سے مدد لیتے پھرتے ہیں۔ مجھ کو ان حضرات کے تکلف سے تعجب ہوتا ہے کہ حکم شرعی کے لئے مطلق دلیل شرعی کافی ہے دلیل خاص کی حاجت نہیں۔

اور ادلہ شرعیہ چار ہیں۔ کتاب وسنت واجماع وقیاس مجتہد ان میں سے اگر ایک دلیل سے بھی حکم ثابت کر دیا جائے وہ ثابت ہو جاویگا۔ البتہ حسب تفاوت ادلہ کے خود ان احکام کے ثبوت کا درجہ بھی متفاوت ہوگا (۴) بعضے مستفتی حیلے پوچھا کرتے ہیں ہرگز نہ بتلانا چاہئے (۵) بعض اوقات سوال مہمل ہوتا ہے اور وہ محتمل دو صورتوں کو ہوتا ہے اور ہر صورت کا حکم جدا ہوتا ہے وہاں اکثر اہل علم تشقیق سے جواب دیدیتے ہیں کہ

اگر یہ صورت ہے تو یہ حکم ہے اور اگر وہ صورت ہے تو وہ حکم ہے اس کا تجربہ کاروں نے منع فرمایا ہے کہ اس سے ناخدا ترس لوگوں کو اپنی مرضی کے موافق سوال تراش لینے کی گنجائش ملتی ہے کہ وہ اسی شق کے مدعی بن جاتے ہیں اور اصل واقعہ ملبس ہو جاتا ہے۔ اس کے متعلق بندہ نے کسی قدر پرچۂ القاسم نمبر (۱) جلد (۱) میں بھی لکھا ہے ملاحظہ فرما لیا جاوے۔

پانچویں فصل

متفرق اصلاحات

اہل علم کا لباس وغیرہ میں تکلف کرنا نامناسب ہے

بعض متفرق اصلاحات میں۔ مثلاً بعض اہل علم کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے کو خوب بناؤ سنگار سے رکھتے ہیں۔ لباس میں بھی بہت تکلف کرتے ہیں۔ یہ امر شان علم کے بالکل خلاف ہے اور علامت اس کی یہ ہے کہ یہ ضروری خدمات علم سے بے فکر ہیں کیونکہ اس کی فکر کے ساتھ ان تکلفات کی طرف ہرگز التفات نہیں ہوتا اتنی گنجائش اور مہلت بھی نہیں ملتی اسی طرح کھانے اور سواری میں اس کا اہتمام یا مجلس میں صدر پر بیٹھنے کا شوق یا مجمع میں امام ہونے کا خیال یا چلنے میں تقدم کی فکر یہ سب شعبے ہیں ریاء اور کبر کے اور منافی ہیں غرض علم کے تواضع واجبات شرعیہ وعقلیہ سے ہے اور نافع ہے تکمیل خدمت دین میں کہ اس سے لوگوں کو انس اور انس سے ان کو نفع دین بآسانی پہنچتا ہے۔ اسی طرح بروئے حدیث البذاذة من الایمان [1] سادگی ضروری ہے اس سے یہ بھی فائدہ ہے کہ مساکین کو بعد وتوحش نہیں ہوتا اور یہ لوگ دین کے زیادہ قبول کرنے والے ہوتے ہیں اس لئے ان کو ضرور قریب رکھنا چاہئے البتہ سادگی کے ساتھ طہارت ونظافت ضروری ہے۔ تطفوا افنیتکم ضرورت تنظیف کو بتلا رہا ہے جب افنیہ جن کو

(۱) سادگی ایمان میں سے ہے۔

تلبیس بعید ہے واجب التنظیف ہیں تو لباس جس کو تلبس قریب ہے اور بدن کا جزو ہے کیونکہ واجب التنظیف نہ ہوگا اور مثلاً دوسرے مولویوں کو بھلا برا کہنا کہ علاوہ اس کے کہ بعض اوقات معصیت بھی ہو جاتی ہے عوام پر برا اثر ہوتا ہے وہ سب سے بدگمان ہو جاتے ہیں اگر کسی صاحب باطل کے شر سے بچانا ہی ضروری ہو تو تہذیب کے ساتھ اطلاع کر دینا کافی ہے۔ اور جس طرح خود اس میں مشغول ہونا مضر ہے اسی طرح دوسرے مشغول کے ساتھ شریک ہو جانا یعنی کسی دوسرے شکایت کرنے والے سے شکایت مولویوں کی سن لینا بھی ایسا ہی مضر ہے بلکہ غیر مولویوں کی مذمت کرنا یا سننا بھی گو کسی حالت میں جائز بھی ہو مگر علماء کی شان کے مناسب نہیں۔ بعض دفعہ اس میں کوئی ایسا مفسدہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنے دین میں حرج ہونے لگتا ہے۔

اور مثلاً کسی کے فیصلہ میں پڑنا گو فی نفسہ طاعت ہے لیکن حسب ارشاد نبوی کہ حضرت ابوذرؓ کو فرمایا تھا لاتقضین بین اثنین[1] ان علماء کو جو حکام نہیں ہیں اس میں پڑنا مناسب نہیں کہ اس میں بدنامی اور شبہ طرفداری کا ہوتا ہے پھر جو نفع دین مسلمانوں کے ساتھ یکساں تعلق رکھنے سے ہوتا وہ فوت ہو جاتا ہے البتہ ایک صورت فیصلہ کی بہت اسلم یہ ہے کہ فریقین اگر درخواست کریں تو ان سے کہے کہ تم دونوں ملکر سوال لکھ کر اپنے اپنے دستخط کر دو پھر اس پر حکم شرعی بطور جواب لکھ کر حوالہ کرے کہ اس پر دونوں عمل کر لو یا کسی ثالث کو حکم مقرر کر کے اس سے نافذ کرا لو اور اسی مصلحت سے مناسب ہے کہ کسی شخص کے دنیوی معاملے میں دخل نہ دے اور اسی مصلحت سے مناسب ہے کہ مالی معاملات سے علیحدہ رہے مثلاً چندہ وصول کرنا یا اس کا تحویلدار بننا یا اس کے صرف کا اہتمام لینا یہ سب صورتیں بدگمانی اور تہمت کی ہیں ایسے کام متدین رؤساء کے متعلق ہونا چاہئے۔ البتہ ان رؤساء کو چاہئے کہ جو کام کریں علماء سے حکم شرعی دریافت کر کے کریں۔

---

(۱) تم ہرگز دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرو۔

خاتمہ

اہل دنیا کا سلوک علماء کے ساتھ

ان باہمی تعلقات کے بیان میں جو اہل دنیا اور اہل علم میں ہونے چاہئیں۔ مختصران کا یہ ہے کہ نمبر (۱) دنیادار علماء کو اپنا مخدوم سمجھیں۔ نمبر (۲) ان کا ادب اور تعظیم کریں۔ نمبر (۳) وہ جو کام دین کا کر رہے ہیں جس میں مال کی ضرورت ہو بدون ان کی استدعاء کے اس میں اعانت کریں۔ نمبر (۴) جو بات ان سے پوچھیں ادب سے پوچھیں۔ نمبر (۵) دلائل دریافت نہ کریں۔ نمبر (۶) اگر کوئی شبہ رہے معاندانہ سوال نہ کرے مستفیدانہ پوچھیں۔ نمبر (۷) اگر ان سے کوئی لغزش ہو جائے تو ان کی مذمت نہ کریں آخر وہ بشر ہیں ان سے بھی خطا ہوتی ہے وہ اس حال میں بھی تمہارے نفع اور ہدایت کے لئے کافی ہیں تم ان کے اقوال پر عمل کرو افعال کو مت دیکھو۔ نمبر (۸) تمہارا شبہ ایک عالم سے حل نہ ہو دوسرے سے حل کرو اور ایک کا قول دوسرے سے روبرو مت نقل کرو۔

اہل علم کا سلوک اہل دنیا کے ساتھ

اور علماء کو چاہئے کہ نمبر (۱) دنیاداروں کو اپنا برابر کا بھائی سمجھیں۔ نمبر (۲) ان سے تعظیم وخدمت کے متوقع نہ ہوں۔ نمبر (۳) اگر بلاتوقع کچھ کر دیں تو یوں سمجھیں کہ علم اور دین کی خدمت تو ہماری ذمے تھی انہوں نے احسان کیا کہ ہماری اعانت کی اس میں قیل وقال نہ کریں جیسے بعض کی عادت ہے کہ کہیں تقرر تنخواہ پر تکرار ہے کہیں ترقی تنخواہ کا تقاضہ ہے کہیں نذرانہ پر بحث ہے۔ نمبر (۴) اگر ان سے کچھ بے تمیزی ہو جائے صبر کریں بدمزاجی نہ کریں۔ یہ سمجھ لیں کہ جب ان کو ہمارے برابر علم نہیں تو ہمارے برابر تمیز کیسے ہوگی۔ نمبر (۵) اگر کسی کو قولاً یا فعلاً حد شرع سے متجاوز دیکھیں جس پر حکومت اور قدرت نہ ہو اس پر تشدد نہ کریں نرمی اور دلجوئی سے بہت اصلاح ہوتی ہے۔ نمبر (۶) اگر عامی کوئی حق بات کہے قبول کرنے سے عار نہ کریں۔ نمبر (۷) اگر کسی مسئلہ میں اپنی غلطی ظاہر ہو اعلان کر دیں۔ اب اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ باوجود اختصار کے ضروریات متعلقہ علوم دینیہ کے لئے جامع اور علماء وعوام دونوں کے لئے نافع ہے۔ وان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

آغاز رجب ۱۳۳۰ھ

ناصح الطلبہ

جس کا ذکر حقوق العلم کے باب دوم کی فصل سوم میں ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طلبہ میں انقلاب

بعد خیر القرون کے جو انقلابات امۃ مرحومہ میں ہوئے ان کی تفاصیل کا احاطہ تو متعذر ہے اور بقدر ضرورت اس کو مع اس کی اصلاح کے حکیم الامۃ جامع الشریعت وطریقت حضرت اقدس مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب مد فیوضہم تحریر فرمارہے ہیں جو رسالہ القاسم میں ناظرین مطالعہ فرمارہے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک انقلاب طلبہ میں ہوا جو اکثر انقلابات کا مبداء ومنشاء ہے وہ یہ کہ زمانہ حال کے طلبہ میں دوطرح کی خرابی ہے ایک تو طلب کی حیثیت سے دوسری اخلاقی جہت سے۔ اس زمانہ کے طلبہ کو پیش نظر رکھ کر تدریجاً اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ وہلم جرا حضرات مصنفین ومتقدمین علماء پر نظر ڈالئے تو ان طلبہ اور ان حضرات میں طلب کی حیثیت بعد المشرقین کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوگا۔

ان حضرات میں طلب کی یہ شان تھی کہ ایک ایک حدیث کے لئے کوسوں منزلوں سفر فرماتے تھے اور ایک ایک راوی کی تحقیق میں بے حد وعد مشاق ومتاعب برداشت فرماتے۔ اور باوجود اس مشقت کے اگر مطلوب تک وصول نہ ہوتا تھا تو طلب کو نہ چھوڑتے تھے اور ایک ایک مسئلہ کی رقق میں راتیں گذار دیتے تھے اور ایک ایک سطر کے حل کرنے کے لئے دماغ کھپا دیتے تھے ان کی اس بے حد جان کاہی اور طلب صادق کی حکایات سے دفتر کے دفتر مملو (پر) ہیں اور پھر حالت یہ تھی کہ نہ کتاب میسر ہوتی تھی اور نہ تیل بتی کے لئے پیسہ پاس تھا نہ کوئی طعام ولباس کا متکفل تھا فاقوں مرتے تھے اور پتے چباتے تھے اور اساتذہ کی خوشامدیں کرتے تھے اور کتابیں اپنے ہاتھ سے

نقل کرتے تھے اور علوم کی تحصیل کرتے تھے۔

میں نے ثقات سے سنا ہے کہ حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کے یہاں بائیس آدمی بخاری شریف میں شریک تھے اور صرف ایک نسخہ بخاری کا تھا سب نقل کرکے پڑھتے تھے غرض کو ہر علم کے لئے بحر طلب میں ایسی غواصی کرتے تھے کہ اگر ان کی حکایات آج کل کے طلبہ کے سامنے بیان کی جاویں تو یقین آنا تو کیا معنی شاید ان کے محال ہونے کا دعوے کریں تو عجب نہیں۔ پھر ان کو اس طلب صادق کا ثمرہ جو کچھ ملا وہ سب اس وقت دیکھ رہے ہیں کہ کوئی فن ایسا نہیں رہا جس میں ان حضرات کا قدم صدق نہ ہو تفسیر، حدیث، فقہ اصول فقہ معانی بیان تصوف وصرف ونحو ہر فن کو اپنی انتہا تک بلکہ آگے تک پہنچا دیا ہم کو تو مفت کی دولت مل گئی سچ یہ ہے کہ اگر وہ ایسی مشقت کرکے علوم وفنون کو مدون نہ فرماتے تو اس وقت جہل کی ظلمت سے عالم تاریک نظر آتا۔

ایک اس وقت ہم لوگ ہیں کہ ہمارے سامنے تحصیل علم کے سب سامان موجود ہیں اساتذہ شفیق، کتابیں صاف خوش خط مزین محشی دو وقت کھانا پکا پکایا تیار، رہنے کے لئے ایسے کمرے کہ بعضے رئیسوں کو بھی میسر نہیں، غرض تمام اسباب تحصیل علم کے مہیا اور حالت ہماری یہ ہے کہ نہ کتاب کی طرف توجہ ہے نہ اساتذہ سے انس ہے نہ شوق ہے نہ طلب ہے نہ مطالعہ ہے نہ تکرار ہے نہ وہ رنگ علمی ہے کتابیں ختم کرلیں گے دستار فضیلت زیب سر ہو جائے گی لیکن استعداد کی یہ حالت ہے کہ املا تک صحیح نہیں عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتے، نبض اور نبیذ میں فرق نہیں کرسکتے (الا ماشاء اللہ)۔

طلبہ کی نااہلی کا غلط ثمرہ

پھر ہمارے اس بد استعدادی اور ناقابلیت کے جو ثمرات ہیں وہ مشاہد ہیں کہ ایسے ایسے افراد جب ہمارے مدارس سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں تو ان کو لیاقت واستعداد تو ہوتی نہیں، تدریس کی قوت نہیں افتاء کا سلیقہ نہیں یا تو وعظ گوئی کو اپنا پیشہ بناتے ہیں اور

اس میں بھی غلطیاں کرتے ہیں۔ یا کسی مسجد میں امام بنتے ہیں اور اگر کہیں تدریس کے لئے بھیج دیئے گئے تو تو وہاں بے آبروئی ہوتی ہے ایسے ایسے نتائج کو دیکھ کر عام لوگ کم عقل سمجھتے ہیں کہ علم دین پڑھنے کا نتیجہ بس یہی ہے کہ یا تو وعظ کہ کر پیٹ پالو یا کسی مسجد کی امامت سنبھالو اس لئے پختہ ارادہ کر لیتے ہیں کہ ہم اپنی اولاد کو علم دین نہ پڑھاویں گے اور اپنی ناحقیقت شناسی سے یہ نہیں جانتے کہ یہ علم کا نتیجہ نہیں ہے یہ طلبہ کی کم ہمتی کا ثمرہ ہے۔

عوام کا غلط نظریہ

اب میں اپنی عنان تقریر کا ان عوام کی طرف رخ کر کے عرض کرتا ہوں کہ ہم نے مان لیا کہ اس قلت علم کا یہی نتیجہ ہے لیکن بہت زور سے للکار کر دعوے کیا جاتا ہے کہ علم دین کی طرف ہر حالت میں خواہ اس میں مشغول ہونے سے استعداد اور کمال حاصل ہو یا نہ ہو مائل ہونا اور برائے نام بھی اس کی طلب ہوتا بلکہ دائرہ کو وسیع کر کے کہا جاتا ہے کہ مدارس اسلامیہ میں بیکار ہو کر رہنا لاکھوں کروڑوں درجے انگریزی میں مشغول ہونے سے بہتر ہے، اس لئے کہ گو لیاقت اور کمال نہ ہو لیکن کم از کم عقائد تو فاسد نہ ہوں گے اہل علم سے محبت تو ہوگی اگرچہ کسی مسجد کی جاروب کشی ہی میسر ہو یہ جاروب کشی اس انگریزی میں کمال حاصل کرنے اور وکیل اور بیرسٹر وغیرہ بننے سے کہ جس سے اپنے عقائد فاسد ہوں اور ایمان میں تزلزل ہو اور اللہ اور رسول وصحابہ و بزرگان دین کی شان میں بے ادبی ہو کہ جو اس زمانہ میں انگریزی کا اکثری بلکہ لازمی نتیجہ ہے اور یہ ترجیح محب دین کے نزدیک تو بالکل واضح وہاں جس کو دین کے جاتے کا غم ہی نہ ہو وہ جو چاہے کہے۔ لیکن باینہمہ اس فساد استعداد کی اصلاح کی ضرورت ہے اس لئے کہ اس کے نتائج اچھے نہیں اور اگر اس کی اصلاح ہوگئی تو ایک عالم کی اصلاح ہو جائیگی اور پھر جس قدر علماء مدارس سے فارغ ہو کر نکلیں گے وہ دین کے سچے خادم ہوں گے اور دین کی خدمت کر دکھائیں گے۔

علماء سے درخواست

اس لئے حضرات علماء کی خصوص جو حضرات شغل تدریس میں مشغول ہیں ان کی خدمات عالیہ میں عرض ہے کہ حضرات درحقیقت آپ اس وقت بڑا کام کررہے ہیں اور جس طریق سے آپ درس دے رہے ہیں فی الواقع طریق یہی ہے اور اسی طریق تدریس سے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے اور اب بھی اگرچہ قلیل ہی سہی مستعد پیدا ہوتے ہیں لیکن اس زمانے میں بوجہ کم توجہی طلبہ اور قوۃ فہم کے ضعیف ہوجانے کے یہ طریق تدریس کا کافی نہیں ہے اب ضرورت اس امر کی ہے کہ طریقہ تدریس میں ایسی ترمیم کی جائے جس سے طلبہ کو استعداد ہو اور یقین ہے کہ آپ حضرات اس ضرورت کو محسوس کررہے ہوں گے اور اس طریق کا تجویز کرنا یہ آپ ہی حضرات کا کام ہے لیکن بمجوائے رب رمیۃ من غیر رام و بمصداق ؎

گاہ باشد کہ کودکے ناداں
بغلط برہدف زند تیرے

طلبہ میں بد استعدادی کے اسباب

یہ ناکارہ بھی کچھ عرض کرتا ہے شاید وہ صحیح ہو۔ وہ یہ ہے کہ اس بد استعدادی کے چند اسباب ہیں۔ طلبہ کی کم توجہی یہ تو مشترک اور عام ہے۔ اور فہیم اور ہونہار بچوں کا انگریزی میں مشغول ہونا اور ضعیف الفہم طلبہ کا عربی کی طرف توجہ کرنا اور عربی کے فاضلوں کی قدر نہ ہونا۔ اس اسباب مذکورہ کے علاوہ ایک اور سبب ہے اور اس کا تدارک مدرسین کے اختیار میں ہے اور اس کے بیان کرنے کے لئے یہ سطریں لکھی گئی ہیں۔ وہ بعنوان مختصر یہ ہے کہ طلبہ کی استعداد سے کام نہیں لیا جاتا ہے۔

مدرسین کو چاہئے کہ طلبہ کی استعداد سے کام لیں

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ابتک تدریس کا طریق یہ ہے کہ طالب علم

اول عبارت پڑھتا ہے اس کے بعد مدرس اس مقام کی شرح مع اس کے مالہ وما علیہ وما فیہ کے بیان کرتا ہے اس درمیان میں اگر کسی کو شبہ ہو وہ دریافت کر لیتا ہے مدرس جواب دیتا ہے بس۔ مدرسین اس کا قصد بھی نہیں فرماتے ہیں کہ طلبہ اس مقام کو سمجھ جاویں بعض کا مقصود تو مدرسہ کا وقت پورا کرنا ہوتا ہے اور بعض اپنی تقریر صاف کرنے کے لئے تقریر فرماتے ہیں اور بعض اپنی اظہار لیاقت کے لئے صعوبت (مشقت) برداشت کرتے ہیں اور یہ خیال نہیں فرماتے ہیں کہ ہم نے جو اتنی دیر تک تقریر کی طلبہ کو اس سے کیا آیا سمجھے یا نہیں (الا ماشاء اللہ) اور یہی طریق ابتدائی کتب سے لیکر انتہا تک جاری رہتا ہے سو میرے نزدیک یہ طریق اس وقت مبتدیوں بلکہ متوسطین کے لئے بھی بالکل غیر نافع ہے۔ البتہ یہ ان طلبہ کے لئے نافع ہے جو منتہی ہو کر فاضلانہ استعداد حاصل کر چکے ہیں اور بڑے حضرات کے یہاں مستفید ہو رہے ہیں۔ اور مبتدیوں کے لئے تو نہایت ہی مضر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ جس قوت سے کام نہ لیا جائے گا اس قوت کو کبھی ترقی نہ ہوگی۔ دیکھ لیجئے جس انجن یا جس مشین سے کام نہ لیا جائے وہ بیکار ہو جاتی ہے اسی طرح انسانی قویٰ کا حال ہے کہ جس قوت سے کام لیا جائے گا وہ قوت ترقی پذیر ہوگی اور جس قوت سے کام نہ لیا جاوے گا وہ رفتہ رفتہ سست اور ضعیف ہو کر کالعدم ہو جائے گی۔ وہذا ظاہر جدا۔

طلبہ کی فہم کی قوت کو کام میں لانے کی ضرورت ہے

اسی طرح قوت فہم کا حال ہے کہ جب اس سے کوئی کام لینے والا ہوگا تو اس کو قوت ہوگی اور کتب درسیہ پڑھنے کی غایت بھی یہی ہے کہ ملکۂ راسخہ اور استعداد کتب بینی و کتب فہمی کی حاصل ہو جائے یہ مقصود نہیں ہے کہ تقاریر یاد ہو جائیں اساتذہ کی بتائی ہوئی تمام تقریریں نہ کسی کو یاد ہوئی ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں پڑھتے پڑھتے ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور اسی سے کام لیا جاتا ہے بلکہ ملکۂ کافیہ کے پیدا ہو جانے کے بعد پھر تعلیم کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی چونکہ طلبہ آج کل خود کم توجہ ہیں اپنے طبائع پر زور نہیں

ڈالتے اور نہ اساتذہ کی طرف سے اس کی تاکید ہوتی ہے اس لئے ان کی قوۃ فہم معطل ہو کر کمزور رہ جاتی ہے اور استعداد جس مرکز پر ہوتی ہے وہاں ہی ٹھہر جاتی ہے گو برائے نام کتابیں بھی ختم ہو جاویں۔ اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس طریق تدریس میں کچھ ترمیم کی جائے اور وہ یہ ہے کہ طلبہ کی استعداد سے کام لیا جائے خود ان کو بلا ضرورت شدیدہ امداد نہ دی جائے جو مقام ایسا ہو کہ ان کی استعداد سے باہر ہو اس کی تقریر تو خود کر دیجایا کرے ورنہ خود ان سے ہی تقریر کرائی جاوے اور نیز ہر قاعدہ اور مسئلہ کے متعلق کثرت سے امثلۂ مشقیہ دریافت کی جاویں تا کہ وہ قاعدہ خوب جاری ہو جائے اور یہ طریق گو تمام درس میں مفید ہے لیکن ابتدائی کتب میں تو بہت ہی ضروری ہے اس لئے کہ مبتدیوں کی حالت نہایت ردی دیکھی جاتی ہے اور جب ابتدا درست ہو جاتی ہے تو پھر اور کتب بھی سہل ہو جاتی ہیں۔ بطور تمثیل کے بعض بعض ابتدائی کتابیں اور بعض متوسط کتب کے متعلق اس طریق کو مفصلاً عرض کرتا ہوں۔ مثلاً میزان منشعب جب شروع ہوں تو ایسا نہ کیا جاوے کہ سبق پڑھا دیا اور اس کو حفظ سن لیا اس سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ سبق پڑھا کر اور یاد کرا کر اس کے متعلق امثلہ مشقی بکثرت دریافت کی جاویں۔

نمبر(۱) مثلاً ماضی کی بحث پڑھائی تو کم از کم تین چار سو مختلف صیغے ماضی کے دریافت کئے جاویں۔ نمبر(۲) اور مصادر دیگران سے ماضی کے صیغے بنوائے جاویں۔ نمبر(۳) اور مصادر کے معنی بتا کر ان کے ماضی کے صیغوں کی اردو دیدیجاوے کہ اس کی عربی بناویں۔

نمبر(۴) اگرچہ اس اجراء میں کئی روز صرف ہو جاویں بجائے سبق کے یہی کام ہونا چاہئے۔ نمبر(۵) اسی طرح جب دوسری بحث پڑھائی جاوے اس کے متعلق بھی یہی عملدرآمد کیا جاوے جب تمام میزان اس طرح ہو جاوے تو منشعب شروع کرائی جاوے اور منشعب کے مصادر کی میزان پر گردان کرائی جاوے اور مختلف صیغے بکثرت دریافت کئے جاویں اور نیز اردو کے صیغے منشعب کے مصادر کے متعلق دیئے جاویں تا کہ اس کی عربی بنا دیں۔ نمبر(۶) جب پنج گنج شروع ہو اس میں بھی یہی قاعدہ

جاری کیا جاوے یعنی جو تعلیل تغیر کے قواعد ہیں ہر قاعدہ کی کم از کم سو سو مثالیں ان سے دریافت کی جاویں۔ نمبر (۷) اور مصادر دیگر ان کی گردان مع تعلیلات لکھوائی جاوے۔ جب اس طور سے پنج گنج ختم ہو جائے تو نحو میر شروع کرائی جاوے اور اس کے اندر قواعد ذیل کا لحاظ رکھا جاوے۔

نمبر (۱) جس قدر سبق ہو اور اس میں جو قواعد پڑھائے جاویں اس کے متعلق چھوٹے چھوٹے جملے عربی کے دیکر اردو ترجمہ مع ترکیب کرایا جاوے اور اردو کے جملے دے کر عربی بنوائی جائے ان دونوں قسم کے جملوں کے لغات منشعب کے مصادر ہونے چاہئیں۔ نمبر (۲) ان جملوں کو حسب استعداد متعلم تدریجی تطویل دی جاوے حتی کہ نحو میر کے ختم پر طویل طویل سلیس عبارتیں اردو کی دیکر عربی بنوائی جائے اور سلیس عربی کا اردو ترجمہ کرایا جائے اس طور سے جب نحو میر ختم ہوگی تو شرح مائۃ عامل اور ہدایت النحو کی عبارت طالب علم خود صحیح پڑھیگا اور اگر کہیں غلطی کرے تو بتلایا نہ جاوے اسی سے خود قاعدہ پر جواب طلب کیا جائے مثلاً طالب علم نے مرفوع کو منصوب پڑھا تو اس سے پوچھا جائے کہ منصوب کس وجہ سے پڑھا ہے یہ منصوبات کی کونسی قسم میں داخل ہے اگر منصوبات میں سے کسی کا نام بتائے مثلاً کہے مفعول بہ ہے یا مفعول فیہ ہے تو کہنا چاہئے کہ اس کی تعریف اس پر منطبق کر دو جب منطبق نہ کر سکے تو کہو سوچ کیا ہے اس طریق سے خود اسی سے نکلوانا چاہئے سبق کے کم ہونے یا نہ ہونے کا ہرگز خیال نہ کریں اگرچہ کسی دن بالکل نہ ہو یا ہو تو کم ہو اور جماعت میں عبارت پڑھنے کا نمبر مقرر نہ کریں بلکہ جس سے دل چاہے پڑھوائے بلکہ ابتدائی کتب میں بہتر ہے کہ ایک روز کے سبق کا تجربہ کر کے کئی طلبہ سے پڑھوائیں چند روز میں انشاء اللہ تعالیٰ استعداد ایسی ہوگی کہ کہیں عبارت کی غلطی نہ کریں گے اور یہ دھبہ طلبہ سے دھل جائے گا کہ ان کو عبارت تک صحیح پڑھنا نہیں آتی یہ طریقہ تو تصحیح عبارت کا ہوا اس طریقہ کو تمام کتب کے اندر اجراء کی ضرورت نہ ہوگی صرف ابتدائی کتابوں کے جیسے ہدایت النحو منیۃ المصلی قدوری کافیہ مرقاۃ وغیرہ پہنچنے تک ضرورت پڑے گی۔ بلکہ نحو میر کے اندر اگر قواعد مذکورۃ الصدر کا

اجراء کیا تو عبارت میں بہت کم غلطی ہوگی اور اگر ہوگی تو وہ اس طریق کے اجراء سے مرتفع ہو جائے گی۔

ہر مضمون کی تقریر استاد نہ کیا کریں

اب تقریر مضمون کے متعلق عرض ہے کہ مضمون کے اندر یہ غور کرنا چاہئے کہ یہ مضمون کس قسم کا ہے آیا یہ طالب علم جو عبارت پڑھتا ہے اس مضمون کو خود سمجھ سکتا ہے یا نہیں اگر خود سمجھ سکتا ہے تو اس مضمون کی آپ ہرگز تقریر نہ کرے طالب ہی سے تقریر کرائے اگر نہ کر سکے تو جماعت میں سے دوسرے سے تقریر کرائے اگر کوئی نہ کر سکے تو سمجھنا چاہئے کہ مطالعہ نہیں دیکھا یا سرسری دیکھا ہے اس جماعت کو اٹھا دے اور ہدایت کر دے کہ مطالعہ دیکھ کر پڑھو، دو ایک مرتبہ جب ناغہ ہوگا طلبہ کو خود خیال ہوگا اور مطالعہ ضرور دیکھیں گے اور جو مضمون ایسا دقیق ہے کہ طلبہ کی استعداد سے باہر ہے تو اس مضمون کو نہایت سہل عنوان سے بلا رنگینی تقریر و استعارات وحشو وزوائد کے تقریر کر کے پھر طالب علم سے ایک مرتبہ تقریر کرائے۔ اور جس فن کی کتاب بھی شروع ہو اس میں تدریس کا یہی طریق جاری کرے اور امثلہ مشقی بکثرت دریافت کرنا چاہئے مثلاً فن بلاغت شروع ہو تو ہر قاعدہ کے متعلق آیات قرآن مجید اور اشعار جاہلیت دے کر قواعد بلاغت ان میں جاری کرائے جاویں۔ قدماء کی بلیغ عبارت دیکر اس کی فصاحت و بلاغت دریافت کرے اور اردو کی عبارت دے کر اسی کی عبارت مع رعایت قواعد بلاغت بنوائے۔ اسی طرح جب فقہ کی کوئی کتاب شروع ہو تو اس کتاب کے مرتبہ کے موافق چھوٹے چھوٹے مسئلے دیئے جائیں۔ کہ بحوالہ کتب اس کا جواب لکھیں۔ علی ہذا منطق کے قواعد کا اجراء اسی طرح کرایا جائے۔

غرض جو فن شروع ہو اس کو عملی طور سے جاری کرایا جاوے گو اس میں مدت زیادہ لگے لیکن تساہل نہ کیا جائے اور میرا خیال یہ ہے کہ ابتداء سے اگر یہ طریق جاری کیا جائے تو استعداد بڑھنے کے ساتھ دل بھی بڑھے گا اور توجہ میں زیادتی ہوگی تو مدت بھی

زیادہ صرف نہ ہوگی اور اس اجراء قواعد کے لئے سبق سے علیحدہ مستقل وقت مقرر کرنا چاہئے۔ اس کو بجائے ایک سبق سمجھنا چاہئے۔ لیکن اس میں دقت یہ ہوگی کہ ہر مدرس پر یہ اطمینان نہیں ہے کہ ان قواعد کو جاری کرے اور امثلۂ مشتق مجتمع میں نہیں اور خود اس کو تلاش کرنے میں وقت ہوگی اس لئے حضرات جامعۃ القاسمیہ اپنی دارالعلوم کے متعلق خصوصاً مدارس کے مہتممین کو اس طرف متوجہ کریں اور دیگر مہتممین مدارس از خود عموماً اپنی توجہ اس جانب مبذول فرمادیں کہ چندہ کرکے ایسی کتب درسیہ طبع کراویں جن کے حواشی پر امثلۂ مشتق بترتیب حسن و باسلوب پاکیزہ لکھی جاویں اور ان کتب کو درس میں داخل کریں پھر خواہ مخواہ ہی مدرسین اس طریق سے پڑھانے پر مجبور ہوں گے اور یہ کوئی مشکل نہیں ہے اس لئے کہ دیکھا جاتا ہے کہ جو ضروری کام ہیں ان کے لئے چندے جمع کئے ہی جاتے ہیں میرے نزدیک وہ کام اس سے زیادہ ضروری نہیں ہے اس لئے کہ یہ تو خود مقصود کا سبب قریب ہے اور دیگر امور زائدہ اگر نہ بھی ہوں تو چنداں حرج نہیں ہے اور اس وقت اس طریق کی نہایت شدید ضرورت ہے اگر اس طریق کا اجراء نہ کیا گیا تو بہت جلد وہ وقت دکھلائی دیتا ہے کہ علم کم ہو جائے گا۔

طلبہ سے کتاب حل نہ کرانے کا عذر

اور اگر یہ عذر ہو کہ طلبہ کو اس سے وحشت ہوگی اور بھاگ جائیں گے اور مدارس خالی رہ جائیں گے اول تو محض خیال ہی خیال ہے میرا خیال تو یہ ہے کہ طلبہ زیادہ آئیں گے اور دوسرے یہ کہ جب بڑے بڑے مشہور مدارس میں اس کا اجراء ہوگا تو طلبہ ہرگز نہ جائیں گے اور اس طریق سے استنکار کی کوئی وجہ نہیں ایسی ایسی ترمیمات تو ہمیشہ ہوتی رہی ہیں دیکھئے سلف صالحین اور محدثین رحمۃ اللہ علیہم کا طرز یہ تھا کہ شیخ خود پڑھتے تھے اور تلامذہ سنتے تھے اور اس وقت یہی نافع ہونے میں کافی تھا اس لئے کہ وہ تلامذہ خود عالم ہوتے تھے ان کو اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ خود پڑھیں اس کے بعد جب استعداد میں وہ قوت نہ رہی اور یہ طریق ناکافی ہونے لگا تو علماء نے اس طرز کو بدل دیا

کہ شیخ نے اور تلامذہ میں سے ایک شخص عبارت پڑھے اور پڑھنے کے لئے وہ منتخب ہوتا تھا جو عبارت جلدی پڑھ سکتا تھا ایک زمانہ تک یہی طرز رہا اس کے بعد پھر نمبر مقرر کیا گیا کہ نمبر وار سب پڑھیں پھر نمبر وار پڑھنے میں یہ شبہ ہوا کہ جس کا نمبر ہوگا وہ مطالعہ دیکھے گا اور باقی نہ دیکھیں گے اس لئے نمبر بھی بعض جگہ مقرر نہیں رہا بلکہ استاد جس کو کہدے وہ پڑھے اور مطلب کی تقریر ہر حالت میں استاد کرے لیکن بوجہ ضعف استعداد و کم توجہی طلبہ یہ طریق بھی ناکافی ثابت ہوا کما مر مفصلاً۔ اس لئے اب اس کی ضرورت واقع ہوئی کہ عبارت بھی طالب علم پڑھے اور مقصود کی تقریر بھی وہی کرے اور جو کچھ اس کی تقریر میں کمی رہی اس کو استاد پورا کردے یا مشکل مقام کی تقریر کردے چنانچہ مفصلاً اس کی ضرورت اوپر معلوم ہوچکی ہے اس لئے حسب اقتضاء ضرورت زمانہ اگر اس طریق کو جاری نہ کیا جاوے گا اور بدستور وہی طریقہ تدریس رہے گا تو علوم کے گم ہوجانے کا صرف احتمال ہی نہیں بلکہ قریب یقین کے ہے۔

مدرسین سے گذارش

اے حضرات علماء و مدرسین آپ حضرات کی بلیغ توجہ کی سخت ضرورت ہے اس لئے آپ اس طرف توجہ فرماویں اور میرے ان بے سروپا جملوں میں غور فرماویں یہ ناکارہ بوجہ کم علمی بد استعدادی کے تحریراً یا تقریراً اپنے پورے مافی الضمیر ادا کرنے سے قاصر ہے لیکن اگر آپ ذرا غور فرماویں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی سمجھ میں آجاویگا کہ فی الواقع اس کی سخت ضرورت ہے۔

کم عمر طلبہ کی تربیت کا طریقہ

یہ تمام تر تقریر تو استعداد کے متعلق تھی اب اخلاقی حیثیت سے جو تغیر طلبہ میں ہوا ہے وہ معروض ہے۔ وہ یہ کہ اخلاق کے اعتبار سے تغیرات تو بہت ہوئے ہیں لیکن صرف دو امر کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن کے تدارک کی نہایت ہی ضرورت ہے اول ان میں سے بے ریش لڑکوں کا فتنہ ہے جو مدارس میں بلائے عام کی طرح شائع ہے اس کے

تدارک کی سخت ضرورت ہے اور اس کے برے نتائج محتاج بیان نہیں ہیں۔ اس کے لئے مدارس میں یہ انتظام ہونا ضروری ہے کہ دس دس یا بیس بیس لڑکوں کے لئے ایک معمر متقی تنخواہ دار نگران مقرر کیا جاوے اور مندرجہ ذیل امور اس کے متعلق ہونا چاہئیں۔

نمبر(۱) ان کو کسی بڑے طالب علم سے نہ ملنے دے۔ نمبر(۲) نگران سے الگ ہو کر آپس میں بھی وہ ایک دوسرے سے باتیں نہ کریں۔ نمبر(۳) ان کے اندرونی حالات کی بخوبی نگرانی کرے۔ نمبر(۴) ان کے نام جو خطوط آویں وہ بھی دیکھ کر دے۔ نمبر(۵) ان کے سر منڈواتا رہے۔ نمبر(۶) پان کھانے سے روکے۔ نمبر(۷) ان کا لباس سادہ ہو اگرچہ امراء کے بچوں کا قیمتی ہو۔ نمبر(۸) نماز و جماعت میں ان کی حاضری کی فکر رکھے۔ نمبر(۹) اگر کہیں تفریح کے لئے یا کسی ضرورت کے لئے بازار وغیرہ جاویں تو خود ان کے ساتھ رہے۔ نمبر(۱۰) اگر ان امور کے خلاف کریں تو مناسب سزا دے۔ وغیر ذلک۔

طلبہ کو بے تکلفی اور سادگی اپنانی چاہئے

دوسرا تغیر نہایت قابل حسرت و افسوس ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں نیچریت اور نئی روشنی کے اثر کی ایسی کثرت ہوئی جیسے آب و ہوا کے فساد سے ہیضہ اور طاعون کی اور اس اثر سے بہت کم نفوس محفوظ رہے ہیں اگرچہ اس اثر سے چند روز قبل عام لوگوں کے متاثر ہونے کا صدمہ تھا لیکن اب تک طلبہ و علماء اس سے بحمد اللہ محفوظ تھے اور اب بھی بہت سے بحمد اللہ محفوظ ہیں لیکن اب چند روز سے نوعمر طلبہ میں یہ اثر معتد بہ درجے میں آ گیا ہے اس کا نہایت درجے قلق ہے میں یہ نہیں کہتا کہ خدانخواستہ ان کے عقائد بھی ان لوگوں کے عقائد جیسے ہو گئے توبہ توبہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے میرا مقصود یہ ہے کہ وہ جو ایک سادہ رنگ خلوص کا طلبہ سابقین میں تھا جس سے ان کو دیکھ کر ان کی طرف دل کو بے انتہا کشش ہوتی تھی اور اگر کبھی عوام دنیاداروں کی جماعت میں کوئی طالب علم آ جاتا تھا تو اس کے بشرہ سے اور اس کی وضع و انداز سے مترشح ہو جاتا تھا کہ یہ طالب علم

ہےاور یہ علم دین کی تحصیل میں مشغول ہےافسوس ہے کہ اب یہ رنگ مفقود ہوتا جاتا ہے
اور نیا رنگ طبائع میں پیدا ہوتا جاتا ہے وہ بے تکلفی اور سادگی رخصت ہوتی جاتی ہے
بلکہ ہوگئی بعض کی وضع وانداز سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی بابو ہیں ترکی ٹوپی سر پر ہے
شیروانی پہنے ہوئے ہیں جیب میں گھڑی لگی ہوئی ہے۔ان کو دیکھ کر طالب علمی کا یقین تو
کیا احتمال بھی نہیں ہوتا معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کے رئیس ہیں نہ چہرہ پر تقوے کے انوار
ہیں نہ آواز ولہجہ میں خشوع وخضوع کے آثار ہیں اگر کسی سے بات کرتے ہیں تو معلوم
ہوتا ہے کوئی وکیل بیرسٹر گواہ عدالت سے جرح کر رہا ہے اگر عبارت تحریر کریں گے تو
معلوم ہوتا ہے کہ تعزیرات ہند کی دفعات لکھ رہے ہیں۔ کتاب میں جی نہیں لگاتے
اخباروں اور پرچوں میں بحیلۂ خدمت دین مضامین لکھ رہے ہیں۔مطالعہ وتکرار اسباق
سے نفور ہیں۔ اور مناظرہ اور تقریر کے برجستہ کرنے کی فکر میں ہیں ان میں بعض لوگ
اس کی تاویل کرتے ہیں کہ ضرورت زمانہ ان امور مجبور کرتی ہے کہ تحریر وتقریر ایسی ہو کہ
پسندیدۂ ابناء زمان ہو تا کہ ان کو تبلیغ کر سکیں۔

میں اس کا مخالف نہیں ہوں واقعی اس کی تحصیل ضروری ہے لیکن اس کے اندر
جو مفسدہ خفیہ ہے اس کی اطلاع بھی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ تجربہ کی رو سے ایسی
تقریر وتحریر حب جاہ پیدا کرنے والی ہے اور خلوص کے رنگ کو ملیامیٹ کردینے والی ہے
اور قلوب میں ترقی مذموم کا مضمون جما دینے والی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ طالب
علمی اخلاص اور سادگی قلب سے جدا ہو کر صرف عبارت آرائی اور دعویٰ ہی دعویٰ رہ
جاتے ہیں اس لئے میرے نزدیک عام طلبہ کو عموماً ایسی تقریر وتحریر اور نئی روشنی والوں
کے ساتھ افادہ کی غرض سے یا استفادہ کی نیت سے ملنے سے قطعاً روکا جائے اور تبلیغ
احکام اور مخالفین کے مضامین کو رد کرنے کے لئے منتہی طلبہ کی ایک جماعت کو منتخب کیا
جاوے اور اول ان کو حضرات اہل اللہ کی خدمات میں بھیجا جائے کہ چند روز وہاں رہکر
اپنے اخلاق کی درستی کریں اور خلوص کا کچھ حصہ حاصل کریں۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ
صوفی بنیں یا ذکر کی ضربیں لگائیں مقصود ہے کہ ان کی صحبت میں رہیں انشاء اللہ تعالیٰ

اخلاص کا کچھ حصہ ضرور ان کو ملے گا۔ اور پہلے زمانے میں اس کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ مخلصین کی کثرت تھی اور یہ نیارنگ طبائع میں نہ تھا لیکن اب ضرورت شدیدہ ہے۔ جب وہ ایک کافی مدت میں ان کی خدمت سے مستفید ہو جائیں اس وقت ان کو منصب مناظرہ تحریری یا تقریری پر مقرر فرمادیں اس کے بعد خواہ ان کی تحریر و تقریر کسی طرز کی ہو مضر نہ ہوگی۔ اور عام طلبہ کو ایسی تقریرات و تحریرات سے قطعاً روکیں۔ جو لوگ ایسی تقریر و تحریر کے عادی ہو رہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اس تقریر و تحریر کا خاک اثر نہیں صرف ایک شوکت، اور بڑائی اس کاتب و مقرر کی اس سے بعض بے وقوفوں کے نزدیک ہو جاتی ہے باقی جو غایت ہے یعنی اصلاح وہ ہرگز اس سے نہیں ہوتی۔ فقط

واللّٰہ تعالیٰ اعلم واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد واله وصحبه اجمعین.

تمت بالخیر